# تفسیرِ بیضاوی

مرکزی جامعۃ المدینہ فیضانِ مدینہ
فیصل آباد

استاد محترم حضرت علامہ
مولانا عامر مدنی

# تعارف مصنف

## نام وکنیت"

هو العلامة المفسر قاضی القضاة، ناصر الدین، أبو الخیر عبد الله بن عمر بن علی البیضاوی الشیرازی، الشافعی ، آپ فارس کے شہر بیضاء میں مقیم تھے اسی وجہ سے آپ بیضاوی کے نام سے مشہور ھیں۔

## علماء کرام کے آپ کے بارے میں تعریفی کلمات"

السیوطی نے "بغیۃ الوعاۃ" میں فرمایا کہ: وہ ایک امام، عالم، فقیہ، عربی اور منطق کے ماہر، ایک صالح مبصر، متقی اور شافعی تھے۔

ابن قاضی شہبہ نے اپنی طبقات میں فرمایا کہ: "تصنیف کا مصنف، آذربائیجان کا عالم اور اس ضلع کا شیخ امام بیضاوی ہیں۔"

## آپ کی تصانیف"

کتاب « المنهاج » مختصر من الحاصل والمصباح و « شرحه » (في أصول الفقه) وهو « منهاج الوصول إلى علم الأصول » الطوالع وهو « طوالع الأنوار »، (في أصول الدين والتوحيد) قال السبكي: وهو أجل مختصر ألف في علم الكلام. « أنوار التنزيل وأسرار التأويل » (في التفسير) وسماه بعضهم « مختصر الكشاف »، وهو ما نحن بصدده الآن. وهذه الكتب الثلاثة من أشهر الكتب وأكثرها تداولا بين أهل العلم. المصباح (في أصول الدين) شرح مختصر ابن الحاجب في الأصول، شرح المنتخب في الأصول» للإمام فخر الدين، شرح المطالع (في المنطق) الإيضاح (في أصول الدين).

## آپ کی وفات"

آپ کی وفات تبریز شہر میں 691 ہجری میں ہوئی۔

## تفسیر بیضاوی کا اصل نام"

اس کا اصل نام "انوار التنزیل واسرار التاویل" ہے۔

**سوال نمبر 1:** سورۃ فاتحہ کو فاتحۃ الکتاب اور ام القرآن کیوں کہا جاتا ہے مع وجہ تسمیہ بیان کریں؟

**جواب:** سورۃ فاتحہ کو فاتحہ الکتاب اور ام القرآن بھی کہتے ہیں۔ اس کی تین وجوہات ہیں **پہلی وجہ:** کیونکہ یہ سورۃ قرآن کو شروع کرنے والی اور اس کی ابتداء کرنے والی ہے گویا یہ سورۃ قرآن کی اصل اور بنیاد ہے اسی وجہ سے اس کو **اساس** بھی کہا جاتا ہے۔ **دوسری وجہ:**

کیونکہ یہ سورۃ مشتمل ہے رب تعالیٰ کی ثناء جیسے الحمد للہ اور معنی تعبد پر جیسے ایاك نعبد و ایاك نستعین اور معنی وعد اور وعید پر مشتمل ہے جیسے ملك یوم الدین **تیسری وجہ:** یا یہ سورۃ تمام حکم نظریہ اور ان احکام عملیہ پر مشتمل ہے جو راہ مستقیم پر چلانے والے اور خوش بختوں کے مراتب اور بد بختوں کے منازل پر مطلع کرنے والے ہیں۔

**سوال نمبر 2:** سورۃ فاتحہ کے نام مع وجہ تسمیہ لکھیں؟

**جواب:** سورۃ فاتحہ کو سورۃ کنز اور وافیہ اور کافیہ بھی کہتے ہیں **پہلی وجہ:** سورۃ فاتحہ کے مقاصدِ قرآن پر مشتمل ہونے کی وجہ سے **دوسری وجہ:** سورۃ فاتحہ کا مذکورہ تمام معانی پر مشتمل ہونے کی وجہ سے، اور اس کو سورۃ حمد و شکر و دعا اور تعلیم مسئلہ (مانگنے کا طریقہ) بھی کہتے ہیں **وجہ تسمیہ:** کیونکہ یہ سورۃ مذکورہ تمام چیزوں پر مشتمل ہے اس میں کہیں حمد ہے تو شکر بھی ہے کیونکہ حمد کو شکر لازم ہے تو کہیں دعا کی جارہی ہے اور کہیں مانگنے کا انداز بتا جا رہا ہے اور اس کو صورت صلاۃ بھی کہتے ہیں **وجہ تسمیہ:** سورۃ فاتحہ کے واجب ہونے کی وجہ سے یا سورۃ فاتحہ کے نماز میں مستحب ہونے کی وجہ سے۔

**سوال نمبر 3:** سورۃ فاتحہ کو شافیہ و شفاء کہنے کی وجہ بیان فرمائے؟

**جواب:** سورۃ فاتحہ کو سورۃ شفاء اور شافیہ بھی کہتے ہیں اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سورت فاتحہ ہر بیماری کی شفاء ہے

**سوال نمبر 4:** سورت فاتحہ کو سبع مثانی کہنے کی وجہ بیان فرمائیں نیز تسمیہ سورۃ فاتحہ کی آیت ہے یا نہیں مع اختلاف ائمہ بیان فرمائیں؟

**جواب:** **پہلی وجہ**: کیونکہ اس کی بالاتفاق سات آیات ہیں۔ **عند امام شافعی:** ان کے نزدیک تسمیہ سورت فاتحہ کی آیت ہے تو یہ سات آیات بنتی ہیں یہ انعمت علیھم کو مستقل آیات شمار نہیں کرتے۔ **عند امام اعظم:** ان کے نزدیک تسمیہ سورت فاتحہ کی آیت نہیں ہے اگرچہ فی نفسہ آیت ضرور ہے ان کے نزدیک انعمت علیھم ایک مستقل آیت ہے۔

**دوسری وجہ:** نماز میں اس کو بار بار پڑھا جاتا ہے۔

**تیسری وجہ:** یا یہ دو بار نازل ہوئی ہے اگر یہ درست مانا جائے اس سے اشارہ فرمایا دیا کہ اس کے دو بار نازل ہونے میں شک ہے ایک مرتبہ جب قبلہ بدلا اس وقت مدینے میں نازل ہوئی اور دوسری بار مکہ میں نازل ہوئی بہر حال یہ بات صحیح ہے کہ یہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اس پر دلیل اللہ کا یہ فرمان: اللہ تعالی قرآن کریم میں ارشاد فرماتا: وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ ترجمہ کنزالایمان: اور بیشک ہم نے تم کو سات آیتیں دیں جو دہرائی جاتی ہیں اور عظمت والا قرآن۔ ابن عباس اور اکثر صحابہ کرام اور مفسرین کا یہ ہی قول ہے کہ سورۃ فاتحہ مکی ہے لہذا اس کا مکی ہونا نص سے ثابت ہوا۔

**سوال نمبر 5:** تسمیہ کے فاتحہ کا جزء ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں اختلاف بیان فرمائیں۔

**جواب:** تسمیہ کے سورت فاتحہ کا جزء ہونے کے بارے میں تین اقوال ہیں۔

**پہلا قول:** مکہ اور کوفہ کے قراء اور فقہاء کرام اور ابن مبارک اور امام شافعی کے نزدیک تسمیہ سورۃ فاتحہ کا جزء ہے۔

**دوسرا قول:** مدینہ وبصرہ وشام کے قراء اور فقہاء کرام اور امام مالک اور امام اوزاعی کے نزدیک تسمیہ سورۃ فاتحہ کا جزء نہیں۔

**امام اعظم:** نے اس بارے میں کوئی شی نہیں بیان کی۔ ہاں یہ گمان کیا گیا ہے کہ ان کے نزدیک تسمیہ سورۃ فاتحہ سے نہیں ہے۔ ان کے شاگرد امام محمد بن حسن سے سوال کیا گیا تسمیہ کے بارے میں تو فرمایا: جو بھی دو گتوں کے درمیان ہو وہ کلام اللہ ہے۔

**سوال 6:** تسمیہ کے سورت فاتحہ کا جزء ہونے پر دلائل بیان فرمائیں؟

**جواب:** شوافع کے دلائل: **پہلی دلیل:** حضرت ابو ھریرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: سورت فاتحہ کی سات آیات ہیں پہلی آیت تسمیہ ہے۔ اور ام سلمہ فرماتی ہیں کہ رسول ﷺ نے سورت فاتحہ کی تلاوت فرمائی تسمیہ اور الحمد اللہ رب العالمین کو ایک ہی آیت شمار کیا۔ ان دونوں احادیث کی وجہ سے اس بارے میں اختلاف ہے کہ تسمیہ مستقل طور پر آیت ہے یا اپنے

مابعد کے ساتھ مل کر آیت ہے پہلی حدیث دلالت کرتی ہے کہ تسمیہ مستقل طور پر ایک آیت ہے جبکہ دوسری حدیث دلالت کرتی ہے کہ تسمیہ آیت کا ایک جزء ہے۔

**دوسری دلیل: اجماع، اجماع کی دو قسمیں ہیں (1) اجماع قولی (2) اجماع فعلی**

**(1) اجماع قولی:** اس بات پر اجماع ہے کہ جو دو گتوں کے درمیان ہے وہ کلام اللہ ہے۔

**(2) اجماع فعلی:** تسمیہ کے مصاحف میں ثابت ہونے پر اتفاق ہے باوجود اس کے کہ تجرید قرآن (خالی کرنے) میں اتنا مبالغہ کیا گیا ہے یہاں تک کہ آمین کو بھی نہیں لکھا گیا لہذا تسمیہ کا لکھا جانا اس بات پر دال ہے کہ یہ قرآن کی آیت ہے۔

**نوٹ:** جو دو گتوں کے مابین ہو وہ قرآن ہے اس سے مراد وہ نسخہ قرآن ہے جو صحابہ کے زمانے میں تھا نہ کہ وہ جو آج کے زمانے میں ہے۔

**سوال نمبر 7:** تسمیہ کے سورۃ فاتحہ کا جزء نہ ہونے پر احناف کے دلائل اور شوافع کا رد فرمائیں؟

**جواب: پہلی دلیل:** ہمارے پاس بھی اس پر کثیر احادیث ہیں ان میں سے حدیث ابو ھریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ فرماتا ہے: میں نے نماز کو یعنی سورۃ فاتحہ کو اپنے اور اپنے بندے کے مابین دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے بندہ جب کہتا ہے الحمد اللہ رب العالمین تو اللہ فرماتا ہے میرے بندے نے میری حمد کی یہ حدیث پاک اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ تسمیہ صورۃ فاتحہ کا جزء نہیں ہے کیونکہ سورۃ فاتحہ کی ابتداء الحمد اللہ سے کی ہے۔

**امام شافعی کا رد:** امام شافعی علیہ الرحمہ نے متعارض حدیث سے استدلال کیا جو کہ درست نہیں کیونکہ حضرت ابو ھریرہ سے دوسری حدیث بھی منقول ہے جو اوپر ذکر کی گئی ہے اور یہ والی روایت ان کی پہلی روایت کو منسوخ کرنے والی ہے اور منسوخ پر عمل جائز نہیں۔

**دوسری دلیل:** حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر و عمر و عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ان میں سے کسی سے بھی تسمیہ کو نہ سنا۔

**اجماع قولی کا رد:** اور امام شافعی نے یہ دلیل دی کہ جو دو گتوں کے مابین ہے وہ قرآن ہے اس سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ تسمیہ قرآن سے ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ سورت فاتحہ کا جزء ہے۔

**اجماع فعلی کا رد:** یہ بھی کہنا درست نہیں کہ جو کچھ قرآن میں ہے وہ سب کا سب قرآن ہے کیونکہ اس میں تو رموز واوقاف وغیرہ بھی جو کہ قرآن نہیں۔

**سوال نمبر 8:** تسمیہ میں باء کا متعلق بیان فرمائیں؟

**جواب:** تسمیہ میں باء اقرء فعل محذوف کے متعلق ہے یعنی بسم اللہ اقرء

وجہ: کیونکہ تسمیہ کے بعد جو آرہا ہے وہ مقروء ومتلو ہے یعنی اس کی تلاوت کی جاتی ہے لہذا اسی مناسبت سے اقرء فعل محذوف لے آئے

**سوال نمبر 9:** اقرء کی بجائے ابدء یا ابتدائی وغیرہ کیوں نہیں لائے؟

**جواب:** اس لیے کہ اس مقام پر اقرء زیادہ اولیٰ ہے ابدء سے کیونکہ ابدء لانے کی صورت میں مطابقت نہیں پائی جارہی اور نہ ہی ابدا مابعد پر دلالت کر رہا ہے اسی طرح ابتدائی لانے سے زیادہ اولیٰ اقرا ہی لانا ہے کیونکہ ابتدائی میں زیادہ پوشیدگی ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ قلیل محذوف اولیٰ ہوتا ہے کثیر محذوف سے لہذا جس میں پوشیدگی کم ہو اسی کو لانا اولیٰ ہے اور وہ ہے اقرء۔

**سوال نمبر 10:** بسم اللہ کا متعلق لانے کا ضابطہ بیان فرمائیں؟

جواب: ہر تسمیہ پڑھنے والا ایسے فعل کو مقدر جانے جس کے لئے تسمیہ کو مبداء بنایا جاسکتا ہو جیسے پانی پینا ہو تو اس سے پہلے اشرب نکالے گے اور کھانا ہو تو اتناول نکالے گے وعلی ھذا القیاس۔

**سوال نمبر 11:** معمول کو مقدم کرنے کے فوائد بیان فرمائیں؟

**جواب:** تسمیہ میں معمول کو مقدم کرنا دل میں زیادہ واقع ہونے والا ہے ایسے ہی ایاک نعبد میں معمول کو مقدم کیا گیا ہے اور بِسۡمِ اللّٰهِ مَجۡرٖ ىـهَا میں خبر کو مبتدا پر مقدم کیا گیا ہے۔ کیونکہ معمول زیادہ اہم ہے اور اختصاص پر دلالت کرنے والا ہے کیونکہ قاعدہ ہے جس کا حق مؤخر ہو اسے مقدم کرنا تخصیص کا فائدہ دیتا ہے اور یہ تعظیم میں زیادہ داخل ہے اسم باری کی شرافت کی وجہ سے اور یہ اسم وجود کے زیادہ موافق ہے کہ جس طرح رب کی ذات تمام ذاتوں پر مقدم ہے اسی طرح اس کا نام بھی تمام اسماء پر مقدم ہے تو جب رب کا نام مبارک قراءت پر مقدم ہے تو بدرجہ اولیٰ یہ تمام اسماء پر مقدم ہے کہ جس طرح رب کی ذات تمام ذاتوں سے بڑھ کر ہے ایسے ہی اس کا نام بھی تمام اسماء پر مقدم ہے۔

**سوال نمبر**12: اسم باری تعالیٰ کو کس اعتبار سے آلہ بنایا گیا ہے؟

**جواب:** اسم باری تعالیٰ کو آلہ بنایا گیا اس اعتبار سے کہ اس کے بغیر کوئی بھی کام مکمل نہیں ہوتا اور نہ ہی شرعاً وہ کام شروع ہوتا ہے جب تک رب کے نام سے شروع نہ کیا جائے جیسے کہ حدیث پاک میں ہے کہ ہر وہ ذی شان کام جو تسمیہ سے شروع نہ کیا جائے وہ کام ادھورا ہے۔

**سوال نمبر**13: تسمیہ میں باء کونسا ہے؟

**جواب:** مصنف کے ہاں مختار قول کے مطابق تسمیہ میں باء استعانت کے لئے آیا ہے اور ایک قول کے مطابق باء یہاں مصاحبت کے لئے آیا ہے تو معنی ہو گا اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں برکت حاصل کرتے ہوئے۔

**اعتراض نمبر**1: باء کو استعانت کے معنی میں لینے کی صورت میں معنی درست نہیں ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نام سے کیسے استعانت کرے گا؟

**جواب:** تسمیہ اور بعد میں آنے والی آیات میں بھی بندوں والا انداز اختیار کیا گیا ہے جیسے ایاك نعبد و ایاك نستعین وغیرہ تاکہ بندوں کو معلوم ہو جائے رب کے نام سے کیسے برکت حاصل کی جائے اس کی نعمتوں پہ کیسے شکر کیا جائے اور اس کے فضل کا کیسے سوال کیا جائے

**اعتراض نمبر**2: تسمیہ میں باء کو مصاحبت کے لئے لینا درست نہیں کیونکہ اس صورت میں ترجمہ ہو گا میں پڑھ رہا ہوں اس حال میں کہ میں اللہ کے نام کے ساتھ متلبس ہو کر شروع کرتا ہوں تو یہ معنی تو درست نہیں کہ رب تعالیٰ میں التباس تو محال ہے؟

**جواب:** یہاں مطلقا تلبس مراد نہیں ہے بلکہ تلبس بمعنی تبرک مراد ہے۔

**سوال نمبر**14: باء کا اعراب تفصیلا بیان فرمائیں؟

**جواب:** اس جواب سے پہلے ایک تمہید سمجھنا بے حد ضروری ہے وہ یہ کہ

حروف کی دو قسمیں ہیں: **(1) حروف مبانی** **(2) حروف معانی**

**حروف مبانی:** وہ حروف جن سے کلمہ مرکب ہو وہ خود کلمہ نہ ہوں جیسے عبد میں باء۔ عین۔ دال، یہ نہ معرب ہے اور نہ ہی مبنی کیونکہ معرب و مبنی ہونا کلمہ کی صفت و خاصیت ہے اور یہ حروف الگ الگ کلمہ نہیں۔

**حروف معانی:** وہ حروف جو اسم، فعل کے مقابلے میں آتے ہیں یہ بناء کے ساتھ متصف ہوتے ہیں اور بناء کی اصل سکون ہے چونکہ بناء کی حالت دائمی ہے اس کے لئے خفیف سی شی چاہیئے لہذا ہم نے اس کو ساکن کر دیا کیونکہ سکون خفیف ہوتا ہے لہذا یہ ہی مبنی کے مناسب ہے پھر جب ہم نے مبنی کو پڑھنا چاہا تو مشکل پیش آئی کہ سکون کے ساتھ ابتداء متعذر ہے احتجاج کلمہ لازم آتا ہے لہذا اس سے بچنے کے لئے پہلے ساکن حرف کو فتحہ دے دی کیونکہ فتحہ بھی خفیف ہوتا ہے۔ تسمیہ میں باء کو کسرہ دی گئی حالانکہ حروف مفردہ کا حق تو یہ ہے کہ ان کو فتحہ دی جائیں لیکن تسمیہ میں باء کو کسرہ دی گئی ہے باء کے حرفیت اور جر کے ساتھ اختصاص کی وجہ سے کہ باء جہاں بھی استعمال ہوتا ہے حرف ہو کر استعمال ہوتا ہے جیسے کہ علامہ سعد الدین تفتازانی فرماتے ہیں کہ ہر حرف تقاضا کرتا ہے کہ اسکی کوئی حرکت نہ ہو لہذا اس کو ہم نے کسرہ دے دی جو کہ معدوم ہی کی طرح ہے اپنے کم استعمال ہونے کی وجہ سے نیز جر کو بھی کسرہ ہی مناسب ہے باء کے اثر کی موافقت کی وجہ سے جیسے بزید اس میں زید میں دال پر کسرہ ہے جو کہ باء کا اثر ہے اسی اثر کی موافقت کرتے ہوئے باء کو بھی کسرہ دے دیا بخلاف کاف کے اس کو حرفیت تو لازم نہیں اگرچہ جر لازم ہے کیونکہ یہ ہر جگہ حرف ہو کر استعمال نہیں ہوتا بلکہ مثل کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اسی طرح واؤ اس کو حرفیت تو لازم ہے ہر جگہ حرف ہی ہو کر مستعمل ہوتی ہے لیکن اس کو جر لازم نہیں کیونکہ یہ کبھی کبھی عاطفہ بھی استعمال ہوتی ہے۔

## سوال نمبر 15: باء کو کسرہ دینے میں کس سے تشبیہ دی گئی ہے؟

**جواب:** باء کو کسرہ دینے میں لام امر و لام اضافت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے لہذا جو لام امر و لام اضافت اسم ظاہر پر داخل ہوتی ہیں ان کو کسرہ دی گئی ہے لام تاکید اور لام ابتداء میں فرق کرنے کے لئے، ہاں جب اسم ضمیر پر داخل ہوں تو اس وقت کسرہ نہیں دی جاتی التباس نہ ہونے کی وجہ سے۔

## سوال نمبر 16: اسم کی اصل کے بارے میں بصریوں کا مذہب مع دلائل بیان فرمائیں؟

**جواب: ہمارے اصحاب بصریوں کے نزدیک:** اسم ان اسماء سے ہے جن کے اواخر کو کاٹ دیا جاتا ہے ان کے کثرت استعمال کی وجہ سے اور ان کے شروع کو ساکن کر دیا جاتا ہے نیز ان سے ابتداء کرنے کے لئے شروع میں ہمزہ وصل کو داخل کر دیا جاتا ہے کیونکہ

بصریوں کی عادت ہے کہ یہ متحرک کے ساتھ ہی ابتداء کرتے ہیں اور ساکن پر وقف کرتے ہیں اس بات کی گواہی اسم کی گردان دیتی ہے کہ اسم کی جمع اسماء اور اس کی جمع اسامی اور سمی و سمیت اور سمی کے وزن پر آتی ہے جیسے ھدی آتا ہے لغۃً اس بات کی دلیل:

یہ شعر ہے:

واللہ اسماک سمی مبارکا اثرک اللہ بہ ایثارکا

ترجمہ: اللہ نے تیرا نام مبارک رکھا اللہ نے تجھے چن لیا تیری ذات کے چننے کی طرح۔

اس شعر میں لفظ سمی سے معلوم ہوا اسم اصل میں سمو تھا اگر سمو نہ ہوتا تو سمی نہ آتا، کیونکہ یہ قاعدہ ہے کہ جمع، تصغیر اسم کو اس کی اصل کی طرف لے آتے ہیں۔

**اعتراض** 3: کوفی کہتے ہیں کہ سمو، وسم سے بنا ہے کہ سمو کے آخر سے واؤ کو شروع میں لے آئے اس میں قلب مکانی کر دی لہذا یہ اسم اصل میں وسم ہی تھا لہذا آپ کی بات تو درست نہ ہوئی ان کی بات سمجھ میں بھی آ رہی ہے؟

**جواب**: مولانا یہ قلب مکانی بعید ہے اور عام نہیں ہے ایک صیغے میں تو مان لیں گے مگر ساری گردان میں ہی قلب مکانی یہ بعید ہے۔

**نوٹ**: قلب مکانی کہتے ہیں: معنی بدلے بغیر حروف کو مقدم و مؤخر کرنا۔

لہذا معلوم ہوا اسم اصل میں سمو سے ہے کیونکہ سمو مسمی (ذات) کو بلند کرنے والا اور مسمی کے لئے شعار ہے ظاہری سی بات ہے آپ کا نام احمد رضا ہے تو جب آپ کا نام پکارا جائے گا تو آپ اپنے نام کی وجہ تمام لوگوں سے ممتاز ہو جائے گے۔

**سوال نمبر** 17: اسم کی اصل کے بارے میں کوفیوں کا مؤقف بیان فرمائے مع رد کے۔

**جواب: کوفی کہتے ہیں:** اسم سمۃ سے مشتق ہے اس کی اصل وسم ہے واؤ کو حذف کر دیا اس کے عوض ہمزہ وصلیہ کو لے آئے تاکہ تعلیل کم ہو جائے۔

**رد: صاحب بیضاوی کوفیوں کا رد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:** کہ اہل عرب کے کسی کلام میں بھی یہ بات آپ نہیں دکھا سکتے کہ واؤ کو حذف کر کے ہمزہ کو لے آئے ہوں یہ تو معروف ہی نہیں کہ ہمزہ صدر میں محذوف کی جگہ داخل ہوتا ہو۔

**سوال نمبر**18:اسم کی لغات بیان فرمائیں؟

**جواب:**(اسم) کو چھ طرح پڑھا جاتا ہے(اسم) ہمزہ کے کسرہ وضمہ کے ساتھ(سم) سین کے کسرہ وضمہ کے ساتھ نیز (سما) سین کے کسرہ کے ساتھ جیسے رضا اور سمی سین کے ضمہ کے ساتھ جیسے ھدی۔

**دلیل یہ شعر ہے:** بسم الذی فی کل سورۃ سمہ وہ تسمیہ وہ اسم جو ہر سورت کے شروع میں ہے وہ رب کا نام ہے۔

**سوال نمبر**19:اسم مسمی کا عین ہے یا ذات اس کے بارے میں معتزلہ کا مؤقف بیان کریں؟

**جواب:** اس بارے میں دو مذھب ہیں (1)**معتزلہ** (2)**اشاعرہ**

(1)**معتزلہ کہتے ہیں:** اسم اگر اس سے مراد لفظ ہو تو یہ مسمی کا غیر ہے کیونکہ یہ مرکب ہے ایسی آوازوں سے جو ٹکڑے ہوں جمع نہ ہوں اور اسم جلالت امتوں اور زمانوں کے بدلنے کے ساتھ بدلتا رہتا ہے کبھی کبھار ایک ہی ہوتا ہے اور کبھی کبھار مختلف ہوتے ہیں جبکہ مسمی (ذات) ایک ہی ہے جو کبھی بھی بدلتی نہیں لہذا معلوم ہوا تسمیہ میں اسم سے مراد غیر ذات ہے جیسے راءیت زیدا میں نے زید کو دیکھا اس میں دو احتمال ہے آیا عینِ زید کو دیکھا یا غیر ذات زید یعنی فقط اس کے نام کو دیکھا۔

**نوٹ:** اسم اس لفظ کو کہتے ہیں جو کسی ذات کے لئے وضع کیا گیا ہو اور مسمی اس کو کہتے ہیں جس کے لئے اسم کو وضع کیا گیا ہو۔

**سوال نمبر**20:اشاعرہ کا مؤقف مع الدلیل بیان کریں؟

**جواب:** اشاعرہ کہتے ہیں اگر اسم سے مراد ذات الشئ ہو تو اسم سے مراد مسمیٰ (ذات) ہو گا جیسے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے: تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ بڑی برکت والا ہے تمہارے رب کا نام۔ دوسرے مقام پر فرمایا: سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى اپنے رب کے نام کی پاکی بولو جو سب سے بلند ہے۔ ان میں اسم سے مراد رب کی ذات ہے کیونکہ ذات برکت والی ہوتی نام نہیں لیکن (اسم سے مراد شی کی ذات ہونا) اس معنی میں مشہور نہیں ہے۔

**یا ان آیتوں میں اسم زائد ہے** جیسے کہ شاعر کا قول: الی الحول ثم اسم السلام علیکما میں اسم زائد ہے۔ اگر اسم سے مراد صفت ہو تو اسم صفت کے تقسیم ہونے کی طرح تقسیم ہو جائے گا کہ اسم یا تو نفس مسمی ہو گا یا غیر مسمی ہو گا یا نہ غیر مسمی ہو گا نہ ہی مسمی ہو گا جیسے کہ ابوالحسن اشعری کا مؤقف ہے کہ صفت ان مذکورہ تین قسموں کی طرف تقسیم ہوتی ہے۔

**حاصل کلام:** اگر اسم سے مراد لفظ ہو تو غیر مسمی ہے اگر ذات مراد ہو تو عین مسمی ہے اور اگر صفت مراد ہو تو اسم تین قسموں کی طرف تقسیم ہو گا جیسے صفت تقسیم ہوتی ہے۔

**اعتراض 4:** یہاں آیت میں اسم سے مراد ذات ہی ہے کیونکہ ذات برکت والی ہوتی ہے نام نہیں اور اس پر قرینہ بھی ہے کہ پاک ہونے کی نسبت اور نقائص سے منزہ ہونے کی نسبت اللہ کی ذات کی طرف کی جاتی ہے نہ اس کی ذات پر دلالت کرنے والے لفظ کی طرف کی جاتی ہے؟

**جواب:** صاحب بیضاوی فرماتے ہیں: آیت میں اور تسمیہ میں اسم سے مراد فقط ذات نہیں لفظ بھی مراد ہے۔

دلیل: کیونکہ جیسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات وصفات کا نقائص سے پاک ہونا ضروری ہے اسی طرح وہ الفاظ جو اس کی صفات کے لیے وضع کئے جائیں ان کا بھی فحش اور سوء ادب سے پاک ہونا ضروری ہے۔

**اعتراض 5:** تسمیہ میں بسم اللہ کہا باللہ نہیں؟

**جواب:** تسمیہ میں بسم اللہ تبرک واستعانت کے لئے یا قسم اور برکت کے مابین فرق کرنے کے لئے کہا کیونکہ باللہ سے قسم کھائی جاتی ہے تو برکت اور قسم میں فرق نہ رہتا۔

**اعتراض 6:** بسم اللہ میں اسم کے الف کو کیوں نہیں لکھا گیا؟

**جواب:** بسم اللہ کے کثرت استعمال کی وجہ سے اسم کے الف کو حذف کر دیا حالانکہ خط قاعدہ یہ ہی تھا کہ اس کو باقی رکھا جائے لیکن کثرت استعمال کی وجہ سے اس کے الف کو حذف کر دیا اور لکھتے وقت اس الف کے عوض باء کو طویل کر کے لکھ دیا جاتا ہے۔

**<u>سوال نمبر 21: اسم جلالت کی اصل بیان فرمائیں؟</u>**

**جواب:** اسم جلالت کی اصل میں اختلاف ہے کہ آیا یہ مشتق ہے یا غیر مشتق یا عربی ہے یا سریانی ہے اگر عربی ہے تو اس بارے میں مزید تین اقوال ہیں کہ آیا یہ مہموز (الہ) سے مشتق ہے یا مثال واوی (ولہ) سے مشتق ہے یا (لاہ) اجوف سے مشتق ہے۔

**پہلا قول کہ** یہ عربی ہے واللہ اصل میں اِلٰہ تھا ہمزہ کو حذف کر دیا گیا اس کے عوض الف ولام کو لے آئے لام کا لام میں ادغام کر دیا تو یہ اللہ ہو گیا الف ولام کو محذوف کے عوض لانے کی دلیل یہ ہے کہ نداء کی صورت میں یا اللہ ہمزہ قطعی کے ساتھ پڑھا جاتا ہے تو ہمزہ گرتا نہیں کیونکہ الف لام عوضی ہے تعریف کا نہیں۔

**سوال نمبر22**: الہ کس کے لئے بولا جاتا ہے؟

**جواب**: الہ ہر معبود کے لئے بولا جاتا تھا بہر حال تغییر و حذف کے بعد معبود بر حق کے ساتھ خاص ہو گیا اب جب بھی الہ بولا جاتا ہے تو مراد میرے آقا ﷺ کا رب ہی مراد ہوتا ہے

**سوال نمبر23**: اللہ اسم جلالت کے مہموز سے مشتق ہونے کے بارے میں پہلا قول بیان فرمائیں؟

**جواب**: لفظ الہ أَلَہ الہۃ و الوھۃ و الوھیۃ سے مشتق ہے جو عبد کے معنی میں ہے اور اسی سے تالہ کسی کو غلام بنانا اور استالہ کسی کو غلام کی مانند سمجھنا بھی آتا ہے اور **ایک قول یہ بھی ہے** کہ اسم جلالت اِلِہ بمعنی تحیر سے مشتق ہے کیونکہ عقلیں رب کی معرفت میں حیران ہیں **یا یہ الھت الی فلان** سے مشتق ہے یعنی میں نے فلاں سے راحت حاصل کی کیونکہ رب تعالیٰ کے ذکر سے دل چین پاتے اور ارواح اس کی معرفت سے راحت و سکون حاصل کرتیں ہیں **یا اسم جلالت الہ** بمعنی فزع سے مشتق ہے یہ تب بولا جاتا ہے جب کوئی سخت معاملہ پیش آئے اور باب افعال سے آلہہ غیرہ اجارہ یعنی کسی گھبرائے ہوئے کو پناہ دینا بھی آتا ہے کیونکہ خوف زدہ رب تعالیٰ کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں اور وہی حقیقی طور پر پناہ دینے والا ہے یا کافر کے زعم کے مطابق اس کا معبود باطل اس کو پناہ دینے والا ہے **یا اسم جلالت الہ الفصیل** سے مشتق ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب بچہ اپنی ماں سے چمٹ جاتا ہے کیونکہ بندے مشکلات میں عاجزی وانکساری کے ساتھ رب کی طرف ہی رجوع کرتے ہیں۔

**سوال نمبر24**: اسم جلالت کے وِلِہ سے مشتق ہونے کے بارے میں دوسرا قول بیان فرمائیں؟

**جواب**: اسم جلالت ولہ سے مشتق ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی حیران ہو اور اس کی عقل مخبوط ہو جائے۔ اس کی اصل ولاہ ہے واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا کسرہ کے ثقیل ہونے کی وجہ سے جیسے وجوہ میں واؤ پر ضمہ ثقیل تھا واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا **ایک قول یہ بھی ہے** کہ الہ اعاء اور اشاح کی طرح ہے جو کہ اصل میں وشاح اور وعاء تھے۔

**سوال نمبر25**: الہ کے ولہ سے مشتق ہونے کے بارے میں صاحب بیضاوی کیا فرماتے ہیں۔

**جواب:** صاحب بیضاوی فرماتے ہیں کہ الہ کی جمع الهة کے وزن پر آتی ہے نہ کے اولهة کے وزن پر آتی ہے جب اس کی جمع اولهة کے وزن پر نہیں آتی تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسم جلالت الہ سے ہے ولِہ سے نہیں کیونکہ جمع مکسر اور تصغیر اسم کو اس کی اصل حالت کی طرف لوٹا دیتی ہیں۔

**سوال نمبر 26:** اسم جلالت لاہ سے مشتق تفصیلاً بیان فرمائیں؟

**جواب:** ایک قول کے مطابق اسم جلالت کی اصل لاہ ہے اس کی گردان لاہ یلیہ لیہا ولاہا آتی ہے اور یہ اس وقت بولا جاتا جب کوئی شی بلند ہو جائے یا چھپ جائے کیونکہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات لوگوں کی نگاہوں سے چھپی ہوئی ہے اور ہر شئ سے بلند بالا ہے اور ہر اس شی سے بلند بالا ہے جو اس کی شان کے لائق نہیں۔ اس بات کی گواہی اس شعر میں ملتی ہے کہ الہ کی اصل لاہ ہے

کحلفه من ابی رباح　　　　یشهدها لاهه الکبار

ترجمہ: ابی رباح کے قسم کھانے کی طرح اس کی گواہی دی اس کے بڑے خدا نے۔

**سوال نمبر 27:** اسم جلالت علم ہے یا صفت اگر علم ہے تو اس کے دلائل بیان فرمائیں؟

**جواب:** ایک قول کے مطابق اسم جلالت ابتداءً ذات مخصوصہ کا علم ہے اس پر تین دلائل دیئے گئے ہیں۔

**پہلی دلیل:** کیونکہ رب تعالیٰ تمام اسماء کے لئے موصوف تو بن سکتا ہے ہاں صفت نہیں بن سکتا۔

**دوسری دلیل:** کیونکہ رب کی ذات کے لئے ایک ایسے علم کا ہونا ضروری ہے جس پر تمام صفات جاری ہو سکے اس اجراء کے لئے سوائے اسم جلالت اللہ کے اور کوئی لفظ نہیں کہ جس پر صفات کو جاری کیا جا سکے کیونکہ خارج میں صفات کے قیام کے لئے جیسے موصوف کے وجود کی محتاجگی ہے اسی طرح ایک اسم کے وجود کی طرف بھی محتاجگی ہے۔

**دلیل ثالث:** کیونکہ اگر اسم جلالت کو وصف کہا جائے تو لا الہ الا اللہ سے توحید کا فائدہ نہیں ملے گا جیسے لا الہ الرحمن سے توحید کا فائدہ نہیں ہوتا کیونکہ صفت غیر کو شرکت سے مانع نہیں ہوتی صفت میں دوسرے بھی شریک ہو جاتے ہیں چاہے مجازاً ہو یا حقیقۃً جیسے صفت رحیم اللہ کے لئے بھی بولی جاتی ہے اور سرکار اعظم ﷺ کے لئے بھی تو جب اسم جلالت کو جب وصف کہا جائے گا تو توحید و وحدانیت کا فائدہ نہیں ہوگا۔

**سوال نمبر**28:اسم جلالت کے بارے میں راجح قول بیان فرمائیں؟

**جواب:** اظہر قول یہ ہی ہے کہ اسم جلالت اصل میں وصف ہی تھا لیکن اس پر علمیت واسمیت غالب آگئی کیونکہ اسم جلالت سوائے رب کے علاوہ کسی کے لئے استعمال نہیں ہوتا گویا کہ یہ وصف علم کی طرح ہو گیا جیسے ثریّا کہتے ہیں امیر عورت کو لیکن بعد میں اس پر علمیت غالب آئی ستاروں کے گتھ کو ثریا کہا جانے لگا اسی طرح صعق ایک شخص ہانڈی بنا رہا تھا تیز ہوا نے اس کی ہانڈی کو الٹ دیا تو اس شخص کو صعق کہا جانے لگا لہذا اوصاف کو جاری کرنے کے لئے علم کو وصف کے قائم مقام کر دیا تو جب یہ صفت ہی نہیں رہا لہذا شرکت کا احتمال بھی نہ رہا، اسم جلالت کے صفت ہونے پر تین دلائل دیئے گئے ہیں۔

**پہلی دلیل:** کیونکہ رب تعالیٰ کی ذات باعتبار اس کے کہ وہ ایک مستقل ذات ہے انسان کی عقل میں نہیں آنے والی بغیر دوسرے امر حقیقی ہو یا اضافی کا اعتبار کئے جیسے علم وقدرت اللہ کے لئے ہو تو حقیقی کسی اور کے لئے ہو تو مجازی ہے لہذا ممکن ہی نہیں کہ لفظ کے ذریعے رب پر رہنمائی کی جائے کیونکہ الفاظ جو کچھ ذہنوں میں ہے اس پر دلالت کرتے ہیں اور رب کی ذات ایسی نہیں جو ذہنوں میں آسکے۔

**دوسری دلیل:** اگر اسم جلالت اللہ فقط ذات مخصوصہ پر دلالت کریں تو ھو اللہ فی السموات کا صحیح معنی نہیں ہو گا کہ جب اس کا متعلق موجود نکالیں گے تو رب کے لئے ظرف مکان لازم آئے گا حالانکہ رب اس سے پاک ہے تو معنی ہو گا وہ رب جو آسمانوں میں موجود ہے ہاں اسم جلالت جب صفت ٹھہرائے گے تو متعلق معبود نکالیں گے معنی ہو گا وہ اللہ جس کی آسمانوں میں عبادت کی جاتی ہے۔

**تیسری دلیل:** کیونکہ اشتقاق کا معنی ہے دو لفظوں میں سے ایک لفظ کا دوسرے لفظ کے ساتھ معنی وترکیب میں شریک ہونا اور یہ معنی اشتقاق اسم جلالت اور بیان کر دیا اصول (الہ، ولہ، لاہ وغیرہ) میں حاصل ہے۔

**سوال نمبر**29:اسم جلالت کے سریانی ہونے کے بارے میں مذھب ثانی بیان کریں؟

**جواب:** اسم جلالت کے بارے میں دوسرا مذھب یہ ہے کہ یہ سریانی ہے اس کی اصل لاھا تھی آخر سے الف کو گرا دیا اور لام کو داخل کر دیا اور لام اور لام کا ادغام کر دیا چونکہ لام سے ابتداء متعذر تھی اسی لئے شروع میں ہمزہ کو داخل کر دیا تو یہ اللہ بن گیا۔

**سوال نمبر**30:اسم جلالت کے لام کو پر پڑھنے کی صورتیں بیان فرمائیں؟

**جواب:** اسم جلالت کے لام کو پر پڑھنے کے بارے میں دو قول ہے۔

(1)جب اس سے ماقبل ضمہ یا فتحہ ہو(2)تمام صورتوں میں پر پڑھے گے۔

**سوال نمبر31**:اللہ اسم جلالت کو کیسے پڑھنے سے لحن جلی ہوگی نیز نماز میں پڑھا تو کیا حکم ہے نیز اس صورت میں قسم منعقد ہوگی یا نہیں نیز اسم جلالت اللہ کے الف کو کب حذف کرنا جائز ہے؟ **جواب**:اگر اللہ اسم جلالت کو الف کے حذف کے ساتھ پڑھے تو لحن جلی ہوگی اس سے نماز فاسد ہو جائے گی اور اس طرح صریح قسم بھی منعقد نہیں ہوگی کیونکہ اس وقت یہ بلۃ بن جائے گا اس کا معنی ہوگا(تری)ہاں کبھی کبھار ضرورت شعری کی وجہ سے الف کو حذف کر دیا جاتا ہے جیسے الالا بارك اللہ فی سھیل اذا ما اللہ بارك فی الرجال

ترجمہ:سن لو اللہ برکت نہ دے سہیل کو جب وہ مردوں کو برکت دے۔

**سوال نمبر32**:رحمن و رحیم کے بارے میں جمہور اور سیبویہ کا مؤقف مع بحث لغوی بیان فرمائیں؟

**جواب**:**جمہور کا مؤقف**:رحمن و رحیم صفت مشبہ ہیں اور مبالغہ کا فائدہ دیتے ہیں۔

**امام سیبویہ کا مؤقف**:رحمن صفت مشبہ ہے اور رحیم اسم فاعل ہے جو کہ مبالغہ کے لئے وضع کیا گیا ہے۔

**بحث لغوی**:رحمن ور حیم مبالغہ کے لئے وضع کئے گئے ہیں اور یہ رحم سے مشتق ہیں جیسے عضبان،غضب سے اور علیم علم سے۔

**سوال نمبر33**:رحمت کا لغوی معنی بیان فرمائیں؟

**جواب**:**رحمت کا لغوی معنی**:رقت قلب اور میلان ہے جو کہ تفضل واحسان کا تقاضا کرتے ہیں اور اسی سے رحم بچہ دانی ہے کیونکہ بچہ دانی اس کے اندر جو بچہ ہوتا ہے اس کی حفاظت کرتی ہے اس پر شفیق ومائل ہوتی ہے۔

**اعتراض7**:رحمن و رحیم صفت مشبہ رحِم سے مشتق ہیں جبکہ رحِم تو فعل متعدی ہے حالانکہ صفت مشبہ تو آتا ہی لازم سے ہے لہذا یہ رحِم سے مشتق نہیں ہیں؟

**جواب**:فعل متعدی کبھی کبھار لازم بھی بن جاتا ہے لہذا یہاں بھی صفت مشبہ جو لایا گیا ہے یہ رحُم فعل لازم سے لایا گیا ہے تاکہ اعتراض لازم نہ آئے۔

**سوال نمبر 34:** <u>اللہ تعالیٰ پر الفاظ کے اطلاق کرنے میں ضابطہ کلیہ بیان کریں؟</u>

**جواب:** اس میں قاعدہ یہ ہے کہ اللہ کے اسماء کو باعتبار نتائج و تاثیر کے لیا جاتا ہے وہ تاثیرات جو تَأثُّرات کا سبب ہیں یعنی سبب بول کر مسبب مراد لیا جاتا ہے یعنی ثمرہ مراد ہوتا ہے جیسے رحمن کا تاثر (رقت قلب) نہیں مراد بلکہ تاثیر و ثمرہ (نرمی و شفقت) مراد ہے۔

**اعتراض نمبر 8:** رحمت کا جو معنی بیان کیا ہے اللہ تو اس سے پاک ہے کیونکہ یہ معنی اسی پر صادق آئے گا جو دل رکھتا ہے جبکہ اللہ کی یہ شان نہیں۔

**جواب:** اس کا جواب اوپر ذکر ہو چکا کہ یہاں سبب بول کر مسبب مراد لیا۔

**سوال نمبر 35:** <u>صیغہ رحمن کے رحیم سے بلیغ ہونے کو مع دلائل بیان کریں؟</u>

**جواب:** رحمن، رحیم سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ الفاظ کی زیادتی معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے جیسے قَطَعَ سے قطّع اور کُبار سے کُبّار رحمن کا معنی ہے بہت زیادہ رحم کرنے والا جبکہ رحیم کا معنی ہے رحمت والا، اور یہ الفاظ کی زیادتی کو کبھی کبھار باعتبار کمیت لیا جاتا ہے اور کبھی کبھار باعتبار کیفیت کے لیا جاتا ہے۔

نوٹ: رحمن کا یہ بھی معنی کیا جاتا ہے کہ جو اپنوں کو بھی دے اور غیروں کو بھی دے، اور رحیم کا ایک معنی یہ بھی کیا جاتا ہے کہ جو اپنوں پر رحم فرمائے۔

**<u>باعتبار عدد کے:</u>** یا رحمن الدنیا کہا کیونکہ رب کا دنیا میں رحمان ہونا مؤمن و کافر دونوں کو عام ہے وہ دنیا میں سب پر رحم فرماتا ہے سب کو نعمتوں سے نواز رہا ہے چاہے مسلمان ہو یا کافر اور یا رحیم الاخرۃ کہا کیونکہ رب کا رحیم ہونا خاص مؤمن کے لئے ہے وہاں نعمتوں سے لطف اندوز ہونے والے فقط مؤمنین ہی ہوں گے۔

**<u>باعتبار کیفیت کے:</u>** جیسے یا رحمن الدنیا و الآخرۃ اور یا رحیم الدنیا کہا کیونکہ اخروی تمام نعمتیں بڑی ہیں اور دنیاوی نعمتیں کم اور چھوٹی ہیں۔

**اعتراض نمبر 9:** فرمایا اسلام غالب ہے جبکہ دنیا میں کفار زیادہ ہیں اور مسلمان تقریبا 24 فیصد ہیں تو اسلام کیسے غالب ہوا؟

**جواب:** اسلام کے غالب ہونے سے مراد ہے کہ اسلام اپنے دلائل کے اعتبار سے غالب ہے۔

**سوال نمبر** 36: رحمن کو رحیم پر مقدم کرنے کی وجوہات بیان فرمائیں؟

**جواب**: پہلے یہ بات ذہن نشین فرمالیں کہ قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہمیشہ ترقی ادنی سے اعلیٰ کی طرف ہوتی ہے۔ جبکہ یہاں ایسا نہیں ہے رحمن کے رحیم پر مقدم ہونے کی چار وجوہات ہیں۔

(1) دنیا میں رب کی رحمت کے مقدم ہونے کی وجہ سے رحمن پہلے لائے کیونکہ رحمن دنیا کے ساتھ خاص ہے اور دنیا باعتبار زمانہ کے آخرت پر مقدم ہے اسی وجہ رحمن کو مقدم کر دیا گیا رحیم پر جو آخرت کے ساتھ خاص ہے۔

(2) کیونکہ رحمن اسم جلالت اللہ عَلم کی طرح ہے اس اعتبار سے کہ اللہ اسم جلالت غیر کے ساتھ موصوف نہیں ہوتا اسی طرح رحمن بھی غیر کے ساتھ موصوف نہیں ہوتا کیونکہ صفت رحمن صفات غالبہ سے ہے اسی وجہ سے اس کا اطلاق غیر پر ممنوع ہے جیسے اللہ اسم جلالت کا غیر پر اطلاق ممنوع ہے لہذا رحمن کو رحیم پر مقدم کر دیا گیا۔

(3) کیونکہ رحمن دلالت کرتا ہے تمام بڑی بڑی نعمتوں پر اسی وجہ سے اس کو رحیم پر مقدم کر دیا اور اس کے بعد رحیم لے کر آئے تاکہ رحیم ان چھوٹی چھوٹی نعمتوں کو شامل ہو جائے جو رحمن کے تحت نہیں آئیں لہذا رحیم رحمن کا تتمہ اور ردیف ہوا اسی وجہ سے رحمن کو رحیم پر مقدم کیا گیا۔

(4) آیات کے آواخر کی محافظت کرنے کے لئے رحمن کو مقدم کیا جیسے الرحمن الرحیم ملك یوم الدین ایاك نعبد و ایاك نستعین الی اخرہ اگر پہلے رحیم لے آئے تو محافظت نہ رہے گی جیسے الرحیم الرحمن ملك یوم الدین ایاك نعبد و ایاك نستعین الی اخرہ۔

**سوال نمبر** 37: رحمن کا معنی اور اس کی دلیل بیان فرمائیں؟

**جواب**: **رحمن کا معنی**: وہ منعم حقیقی جو رحمت کرنے میں انتہاء کو پہنچا ہو اور یہ معنی اللہ کے علاوہ پر صادق نہیں آتا۔

**اللہ کے منعم حقیقی ہونے کی دلیل**: کیونکہ رب تعالیٰ کے ماسواء تو خود اس کے لطف و انعام سے عوض طلب کرنے والے ہیں کثرت ثواب کے یا اچھی ثناء کے طالب ہیں یا رقت جنسیت کے الم کو زائل کرنے والے ہیں (کیونکہ دل جن چیزوں کا مشاهدہ کرتا ہے اگر اچھی ہوں تو ان سے دل نرم ہوتا اگر ان کا حال برا ہو تو تاثر لیتا ہے پس رب کے احسان سے اس الم کو زائل کرتے ہیں) یا اپنے دل سے مال کی محبت کو زائل کرنا چاہتے ہیں۔

**اللہ کے علاوہ کسی کے منعم حقیقی نہ ہونے پر دلیل:** انعام ہونے میں بندہ واسطے کی طرح ہے کیونکہ باذات خود نعمتیں رب کے پیدا کرنے سے ہے اور اس کا وجود اور نعمت کو پہنچانے کی قدرت اور اس پر ابھارنے والا سبب،(کیونکہ انعام فعل اختیاری ہے جو بغیر سبب کے متصور نہیں ہو سکتا) اور اس نعمت سے نفع حاصل کرنے کی قدرت اور وہ قدرت جس کے ذریعے غیر کو انتفاء حاصل ہوتا ہے ان تمام چیزوں پر رب ہی قادر ہیں اس کے علاوہ کوئی نہیں لہذا وہی منعم حقیقی ہے بقیہ سب اس کی عطاء سے ہی ہے۔

**سوال نمبر 38: رحمن منصرف ہے یا غیر منصرف؟**

**جواب:** وہ صفت کا صیغہ جو فعلان کے وزن پر ہو اس بارے میں نحویوں کے دو مذھب ہے۔

(1) اگر فَعلان کی مونث فعلانۃ کے وزن پر نہ ہو تو وہ جو فعلان کے وزن پر ہو گا غیر منصرف ہو گا۔

(2) اگر فعلان کی مونث فعلیٰ کے وزن پر ہو تو فعلان کے وزن پر جو صیغہ ہو گا غیر منصرف ہو گا۔

**لفظ رحمن کے بارے میں** راجح قول یہ ہی ہے کہ یہ غیر منصرف ہے کیونکہ اس کی مونث فعلانۃ کے وزن پر نہیں آتی (اگرچہ رحمن پر نہ مذکر کا اطلاق کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی مونث کا کیونکہ رب اس سے پاک ہے جیسے کہ متن میں بھی ہے کہ رب کا اختصاص ممنوع ہے اس بات کے ساتھ کہ اس کے لئے مونث ہو فعلی یا فعلانۃ کے وزن پر آئے) لیکن اس کو غیر منصرف کہا گیا اس اعتبار سے کہ اس کو لاحق کر دیا گیا ان کلمات کے ساتھ جو اس باب میں غالب ہیں یعنی جن کی مؤنث فعلی کے وزن پر آتی ہے لہذا اس کو غیر منصرف فی نفسہ لفظ کے اعتبار سے کہا نہ کہ ذات کے اعتبار سے کیونکہ وہ ذات مذکر یا مؤنث ہونے سے پاک ہے۔

**اعتراض 10:** تسمیہ کو اللہ، رحمن، رحیم کے ساتھ ہی کیوں خاص کیا گیا جبکہ اللہ کی تو بہت ساری صفات ہیں؟

**جواب:** قاعدہ ملاحظہ فرمائیں کہ: حکم کا وصف پر مرتب ہونا خبر دیتا ہے اس بات کی کہ یہ وصف حکم کی علت ہے۔(اس کی وضاحت آگے آئے گی انشاء اللہ) **انہی اسماء کے ساتھ تسمیہ** کو خاص کیا گیا تاکہ عارف جان لے کہ جو ذات مستحق ہے اس بات کی کہ اس سے مدد طلب کی جائے وہ معبود حقیقی ہی ہے جو تمام نعمتیں چھوٹی بڑی جلدی اور تاخیر کے ساتھ عطا فرمانے والا ہے پس عارف ظاہر و باطن کے ساتھ متوجہ ہو جناب قدس کی طرف اور اس کی رسی کو مظبوطی سے تھامے اور رب کے ذکر سے اس کا باطن مشغول ہو جائے اور غیر سے مدد حاصل کرنے سے اعراض کرنے لگ جائے۔

**سوال نمبر** 39: حمد و مدح، استہزا اور شکر کی تعریف بیان کریں؟

**جواب:** **حمد کی تعریف:** حمد کہتے ہیں اختیاری خوبیوں پر تعریف کرنا چاہے وہ تعریف کسی احسان کی وجہ سے ہو یا بغیر نعمت و احسان کے ہو۔

**مدح کی تعریف:** مدح کہتے ہیں مطلقاافعال جمیلہ پر تعریف کرنا۔ جیسے کہ تیرا کہنا حمدت زیدا علی علمه و کرمه تو درست ہے کہ علم و کرم افعال اختیاریہ میں سے ہیں ہاں یہ کہنا درست نہیں حمدت زیدا علی حسنه کیونکہ حسن اختیاری خوبی نہیں ہے ہاں یہ کہنا درست ہے مدحت زیدا علی حسنه۔

**شکر کی تعریف:** شکر کہتے ہیں وہ تعریف جو نعمت کے مقابلے میں کی جائے چاہے زبان کے ذریعے ہو یا کسی عمل کے ذریعے ہو یا اعتقاداً ہو یعنی دل سے ہو۔

جیسے کے شاعر کا قول: افادتکم النعماء منی ثلاثة　　　یدی و لسانی و الضمیر المحجبا

ترجمہ: میری طرف سے تم کو نعمتوں نے تین طرح لطف اندوز کیا ہے میرے ہاتھ و زبان اور پوشیدہ دل سے۔ اس شعر میں تینوں طرح شکر کیا گیا ہے قولا و فعلا و اعتقادا۔

**استہزاء کی تعریف:** قبیح شی پر کسی کی تعریف کرنا استہزاء کہلاتا ہے۔

**نوٹ:** ایک قول کے مطابق حمد و مدح ایک دوسرے کے متشابہ ہیں لیکن اس سے مراد اشتقاق میں ایک دوسرے کے مشابہ ہے حقیقت میں نہیں۔

**سوال نمبر** 40: شکر و حمد کے مابین کونسی نسبت ہیں؟

**جواب:** شکر و حمد کے مابین نسبت عموم خصوص من وجہ ہے یعنی ہر حمد شکر تو ہے لیکن ہر شکر حمد ہو ضروری نہیں صاحب بیضاوی فرماتے ہیں کہ شکر حمد و مدح سے باعتبار مورد (جس سے تعریف کی جاتی ہے زبان و افعال و اعتقاد) کے عام ہے اور باعتبار متعلق (نعمت کے مقابلے ہو یا نہ ہو) خاص ہے۔

**سوال نمبر** 41: حدیث پاک الحمد راس الشکر وما شکر اللہ من لم یحمدہ میں حمد کو شکر کہا گیا حالانکہ فرع (شکر) تینوں طرح سے ہو جاتی ہے جبکہ اصل جیسے کہ حدیث میں کہا گیا فقط زبان سے ادا ہوتی ہے لہذا حمد کو شکر کی اصل کیوں کہا گیا؟

**جواب:** صاحب بیضاوی فرماتے ہیں کہ حمد شکر کی اقسام میں سے ہے اور نعمتوں کی اشاعت کرنے والی بھی ہے اور اس کے وجود پر زیادہ دلالت کرنے والی ہے اعتقاد کے مخفی ہونے اور عادات جوارح کے محتمل ہونے کی وجہ سے حمد کو شکر کی اصل قرار دے دیا۔ **یعنی دل سے** تعظیم کرنا یہ تو ایک مخفی امر ہے ہمیں کیا معلوم وہ ہمارے بارے میں کیا گمان رکھتا ہے **اور عادات جوارح** مختلف ہوتی ہے ضروری نہیں کہ ہر وہ کام جو اعضاء سے کیا جائے وہ حمد یا شکر کہلائے بے ادبی بھی ہو سکتا ہے جیسے عربوں کے ہاں کسی کے آنے پر کھڑا ہونا برا سمجھا جاتا ہے جبکہ عجمیوں کے ہاں کسی کے آنے پر کھڑے ہونے کو اچھا اور اس کی تعظیم سمجھا جاتا ہے لہذا باقی رہا معاملہ زبان سے تعریف تو اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ حمد ہوتی ہی زبان سے ہے لہذا اس لئے فرمایا حمد شکر کی اصل ہے جس نے رب کی حمد نہیں کی اس نے اللہ کا شکر نہیں کیا

**سوال نمبر** 42: ذم اور کفران نعمت یہ دونوں کس کی نقیض ہیں؟

**جواب:** مزمت حمد کی نقیض اور کفران نعمت یعنی ناشکری شکر کی نقیض ہے۔ کفران کا لفظ نعمت کے انکار کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے جبکہ کفر دین کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے۔

**سوال نمبر** 43: الحمد للہ کا اعراب بیان فرمائیں؟

**جواب:** الحمد کو مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع پڑھے گے اور اس کی خبر للہ ہو گی جبکہ **اس کی اصل:** نصب ہے الحمدَ اللہ پڑھا جائے اور قراءۃ شاذہ میں اسی طرح اس کو پڑھا گیا ہے حالانکہ یہ شاذ ہے پھر اس کو رفع کی طرف پھیر دیا گیا تاکہ یہ حمد کے عموم اور رب کے لئے حمد کے ثبوت پر دلالت کرے نہ کہ تجدید و حدوث پر دلالت کرے کیونکہ مرفوع پڑھنے کی صورت میں یہ جملہ اسمیہ بنے گا اور جملہ اسمیہ میں عموم اور ثبات ہوتا ہے اور نصب پڑھنے کی صورت میں جملہ فعلیہ بنے گا اور جملہ فعلیہ تجدد اور حدوث کا فائدہ دیتا ہے۔

**الحمد یہ** ان مصادر میں سے ہیں جن کو پوشیدہ افعال کی وجہ سے نصب دی جو جاتی ہے اور یہ ہمیشہ اکیلے ہی استعمال ہوتے ہیں۔

اس سوال سے پہلے ایک تمہید سمجھے: الف لام سے اشارہ حقیقت حمد کے معین حصے کی طرف ہو گا یا حقیقت کی طرف ہی ہو گا اگر حقیقت حمد کے حصہ معین کی طرف ہو تو الف لام عہد خارجی ہو گا اور اگر اشارہ حقیقت کی طرف ہو تو تین حال سے خالی نہ ہو گا:

(1) یا تو اشارہ حقیقت من حیث ھی ھی کی طرف ہو گا تو الف لام جنسی ہو گا۔

(2) یا تو حقیقت کی طرف اشارہ حقیقت کے بعض افراد کے ضمن میں پائے جانے کے اعتبار ہو گا تو یہ الف لام عہد ذہنی ہو گا۔

(3) یا تو حقیقت کی طرف اشارہ تمام افراد کے ضمن میں پائے جانے کے اعتبار سے ہو گا تو یہ الف لام استغراقی ہو گا۔

الحمد میں الف لام نہ تو عہد خارجی ہے نہ ہی عہد ذہنی!

**عہد ذہنی نہ ہونے کی وجہ:** کیونکہ یہ مقام حمد کے منافی ہے وہ اس طرح کہ مقام حمد یہ ہے کہ تمام تعریفوں کو رب کے لئے ثابت کیا جائے جبکہ عہد ذہنی میں بعض افراد کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔

**عہد خارجی نہ ہونے کی وجہ:** کیونکہ حمد کا کوئی فرد معین مخاطب کے نزدیک موجود نہیں کہ جس کی طرف اشارہ کیا جائے لہذا جو بھی تعریف کرے گا اس کے نزدیک تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں۔

**الف لام جنسی کے درست ہونے کی وجہ:** کہ جہاں جہاں تعریف ہو گی وہ اللہ کے لئے ہو گی۔

**الف لام استغراقی کے درست ہونے کی وجہ:** تمام افراد میں سے جس سے بھی حمد ثابت ہو گی وہ اللہ کے لئے ہو گی۔

**سوال نمبر44:** الحمد میں الف لام کونسا ہے؟

**جواب:** الحمد میں الف لام جنسی ہے اس صورت میں اس کا معنی ہو گا: اشارہ ہو گا ہر اس شخص کی طرف جو حمد کی حقیقت کو جانتا ہے یا الف لام استغراقی ہے کیونکہ حمد حقیقیت میں اللہ کے لئے ہی ہے اس لئے کہ جو بھی بھلائی ہے وہ اللہ ہی عطا فرمانے والا ہے چاہے واسطے کے ساتھ ہو یا بغیر واسطے کے ہو جیسے کہ رب فرماتا ہے: وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ اور تمہارے پاس جو نعمت ہے سب اللہ کی طرف سے ہے

**فائدہ:** حمد خبر دیتی ہے اس بات کی کہ رب کی ذات حی و قادر و مرید و عالم ہے کیونکہ حمد کا مستحق وہی ہو سکتا ہے جو اس شان کا ہو کیونکہ حمد کہتے ہیں محاسن اختیاریہ پر تعریف کرنا اور محاسن اختیاریہ اسی سے ثابت ہوتے ہیں جو ان پر قادر ہو لہذا رب کا قادر ہونا ثابت

ہوااور اختیار نام ہے ارادے کے ساتھ کسی کام کو کرنے کالہذارب کامرید ہوناثابت ہوااور ارادہ مسبوق بالعلم ہوتا ہے یعنی جس کو پتا ہوتا ہے وہی ارادہ کرتا ہے لہذارب کاعالم ہوناثابت ہوااور صفت علم بغیر حیات کے نہیں پائی جاتی لہذارب کا حی ہوناثابت ہوا۔

**سوال نمبر45:الحمد اللہ کی بعض قراءتیں بیان فرمائیں؟**

**جواب:** الحمدِ اللہ کو کسرہ کے ساتھ دال کولام کے پیچھے لاتے ہوئے(یعنی دال کولام کے تابع کرتے ہوئے)اور اس کے برعکس(الحمدُ اُللّٰہ) بھی پڑھا گیاہے کیونکہ یہ دونوں ایک کلمہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔

**سوال نمبر46:رب کامعنی بیان فرمائیں؟**

**جواب:** رب اصل میں مصدر ہے تربیت کے معنی میں،رب کامعنی ہے کسی شی کو آہستہ آہستہ اس کے کمال تک پہنچانا پھر اللہ کو لفظ رب کے ساتھ مبالغہ کے لئے موصوف کر دیا گیا جیسے صوم وعدل۔اور ایک قول کے مطابق رب صفت مشبہ کاصیغہ ربہ یربہ فھو رب سے جیسے نم ینم فھونم پھر اسی کے ساتھ مالک کو موسوم کر دیا گیا کیونکہ مالک جو اس کی ملکیت میں ہوتا ہے اس کی حفاظت کرتا اور اس کی تربیت کرتا ہے۔

**سوال نمبر47:کیالفظ رب کااطلاق غیر پر ہو سکتاہے؟**

**جواب:** لفظ رب کااطلاق غیر پر اسی وقت جائز ہے جب کہ اضافت کے ساتھ ہو جیسے قَالَ ارْجِعْ اِلٰی رَبِّكَ کہا اپنے رب (بادشاہ) کے پاس پلٹ جا۔یہاں رب سے مجازی رب مراد ہے حقیقی نہیں۔

**سوال نمبر48:لفظ عالم کی تعریف و تحقیق بیان فرمائیں؟**

**جواب:** عالم کہتے ہیں وہ جس کے ذریعے کسی شی کو جاناجاتا ہے جیسے خاتم و قالب اور یہ کثیر الاستعمال ہے ان میں جن کے ذریعے صانع تعالی کو جاناجاتاہے اور جواھر واعراض کے علاوہ ماسوا کو عالم کہتے ہیں۔

**اعتراض11:** عالم اسم فاعل ہے تو یہ عالَم کے وزن پر کیسے آسکتاہے؟

**جواب:** امام راغب فرماتے ہیں کہ اکثر مقامات پر اسم فاعل کاصیغہ اسم آلہ کے وزن پر آتا ہے جیسے طابع وغیرہ

**سوال نمبر**49:عالم کی جمع کیوں لائی گئی؟

**جواب:** تا کہ یہ اپنے ماتحت تمام مختلف اجناس کو شامل ہو جائے۔

**اوعراض نمبر**1:عالَم کی جمع عالَمین جمع سالم کے وزن پر کیوں لائی گئی حالانکہ غیر ذوی العقول کی جمع، جمع مکسر کے وزن پر آتی ہے کہ دنیا میں زیادہ چیزیں غیر عاقل ہیں لہذا اس کی جمع، جمع مکسر کے وزن پر لائی جائے؟

**جواب:** عالم کی جمع عالمین کو یاء و نون کے ساتھ جمع سالم کے وزن پر عقلاء کو غلبہ دیتے ہوئے لایا گیا( جیسے کہ بقیہ اوصاف میں لایا جاتا ہے)۔کیونکہ جو الفاظ ذوی العقول کی صفت واقع ہوں یا صفات عقلاء کے حکم میں ہو تو ان کی جمع واو اور نون کے وزن پر آتی ہے۔

**سوال نمبر**50:عالَم کا معنی بیان فرمائیں؟

**جواب:** ایسا اسم جس کو علم والوں کے لئے وضع کیا گیا ہو چاہے وہ فرشتے ہوں یا ثقلین، اور ان کے علاوہ چیزوں کو استتباع کے طریقے پر شامل کر لیا گیا ہے۔اور ایک قول کے مطابق اس سے مراد لوگ ہیں کیونکہ لوگوں میں سے ہر ایک عالم ہے۔

**اعتراض نمبر**13:عالم کو جو معنی بیان کیا گیا درست نہیں کیونکہ دنیا میں اور بھی بہت کچھ وہ اس تعریف میں شامل نہیں ہوتا؟

**جواب:** فرشتوں اور ثقلین کے علاوہ بقیہ تمام چیزوں کو تبعاً اور الزاماً(علم والوں کے تابع کرتے ہوئے)عالم میں داخل کر دیا گیا۔

**سوال نمبر**51:عالم کی کتنی قسمیں ہیں نیز کون کونسی ہیں؟

عالم کی دو قسمیں ہیں: **(1)عالم صغیر** **(2)عالم کبیر**

**(1)عالم صغیر:** لوگوں میں سے ہر ایک عالم صغیر ہے کیونکہ انسان بھی ایسے نظائر پر مشتمل ہے جو عالم کبیر میں پائے جاتے ہیں جو اھر و اعراض میں سے جن کے ذریعے صانع کو جانا جاتا ہے جیسے کہ جو عالم کبیر میں چیزیں ہیں ان کے ذریعے صانع کو جانا جاتا ہے اسی وجہ سے دونوں عالموں میں نظر کرنا برابر ہے اللہ فرماتا ہے: وَفِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ ؕ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ اور خود تم میں تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں۔

**(2)عالم کبیر:** دنیا جو کہ مشہور و معروف ہے۔

**سوال نمبر**52:رب العالمین کی بعض قراءت بیان فرمائیں؟

**جواب**: رب العالمین کو باء کے فتح کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے مدح کے طور پر کہ یہ مقام مدح ہے اس سے پہلے امدح فعل محذوف نکلے گا یا نداء کی وجہ سے مفتوح پڑھا گیا ہے یعنی اس پہلے فعل ادعو نکلے گا یا فعل محذوف کی وجہ سے اس کو مفتوح پڑھا گیا جو اس حمد پر دلالت کر رہا ہے اور وہ حمدت یا احمد نکلے گا۔

**فائدہ**: رب العالمین کے رب کے ساتھ موصوف ہونے میں دلیل ہے اس بات پر کہ جیسے ممکنات محتاج ہیں محدث کی طرف اسی طرح یہ اپنی بقاء کے لئے محتاج ہیں مبقی (باقی رکھنے والے) کی طرف۔

**اعتراض نمبر** 14: تسمیہ اگر فاتحہ کا جزء ہو تو الرحمن والرحیم کے وصف کو لانے میں تو تکرار لازم آئے اس کا تو پہلے ذکر کر دیا دوبارہ کیوں ذکر کیا گیا؟

**جواب**: ان کو مکرر لایا گیا استحقاق حمد کی تعلیل (علت) کو بیان کرنے کے لئے، کہ حکم کا وصف پر مرتب ہونا اس وصف کے حکم کے لئے علت کی خبر دیتا ہے۔

## سوال نمبر 53: ملک کی قراءت کو بیان فرمائیں؟

**جواب**: امام عاصم و امام کسائی و یعقوب کی قراءت میں مالك یوم الدین پڑھا گیا ہے اس کی دلیل: يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ؕ وَ الْاَمْرُ يَوْمَىِٕذٍ لِّلّٰهِ جس دن کوئی جان کسی جان کا کچھ اختیار نہ رکھے گی اور سارا حکم اس دن اللہ کا ہے۔ کہ اس آیت میں تملك مِلك سے ہے نہ کہ مُلك سے اور بقیہ نے مَلِك پڑھا ہے یہ ہی مختار ہے کیونکہ یہ اہل حرمین کی قراءت ہے اللہ فرماتا ہے لمن الملك اليوم کیونکہ مَلِك سے پڑھنے میں تعظیم ہے اس لئے کہ لفظ ملک سلطان کی طرح ہے اس میں عظمت پر زیادہ دلالت ہوتی ہے۔

## سوال نمبر 54: مالک اور ملک کی تعریف بیان فرمائیں؟

**جواب**: **مالک کہتے ہیں** جو اعیان مملوکہ میں جیسے چاہے تصرف کریں۔ **اور ملک کہتے ہیں** جو سلطنت میں امر و نہی کے ذریعے جیسے چاہے تصرف کریں۔

## سوال نمبر 55: ملک کا اعراب اور قراءت بیان فرمائیں؟

**جواب:** ملک کولام کے تخفیف کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اور لفظ فعل کے ساتھ مَلَكَ بھی پڑھا گیا ہے، اور اس کو مالکا ً بھی پڑھا گیا مدح یعنی فعل امدح کی وجہ سے یا حال ہونے کی وجہ سے منصوب پڑھا گیا، اور مالک کو مرفوع پڑھا گیا تنوین کے ساتھ اور بغیر تنوین کے جب اس کو مبتداء محذوف کی خبر بنائے گے۔

**سوال نمبر 56:** الدین کا معنی بیان فرمائیں؟

**جواب:** یوم الدین کو یوم جزاء بھی کہا جاتا ہے اسی سے ماخوذ ہے کما تدین تدان اور حماسہ کا شعر:

ولم یبق سوا العدوا    دناھم کما دانوا

ترجمہ: دشمنوں کے سواء کوئی باقی نہ رہا ہم نے ان سے ایسے ہی برا کیا جیسے انہوں نے برا کیا۔

**اعتراض نمبر 15:** مالك یوم الدین میں مالک کی نکرہ ہے لہذا یہ اللہ اسم جلالت معرفہ کی صفت کیسے بن سکتا ہے کیونکہ موصوف اور صفت میں تو مطابقت ضروری ہے؟

**جواب:** قاعدہ ہے کہ اسم فاعل اور اسم مفعول اس وقت عمل کرتے ہیں جب یہ حال یا استقبال کے معنی میں ہوں جبکہ یہاں یہ ماضی یا استمرار کے معنی میں ہے لہذا یہاں اضافت اضافتِ لفظیہ نہ رہی اضافت معنویہ بن گئی جو کہ معرفہ کا فائدہ دیتی ہے لہذا یہ اعتراض مندفع ہو گیا کہ موصوف صفت میں مطابقت نہیں ہے۔

**اعتراض 16:** لفظ مالك کی یوم کی طرف اضافت سے تو یہ معرفہ واقع نہیں ہو گا تو کیسے صفت (مالک) اور موصوف (اللہ اسم جلالت) میں مطابقت پائی جائے گی؟

**جواب:** یہاں اسم فاعل کی ظرف کی طرف اضافت کی گئی ہے مالك کو مفعول بہ کے قائم مقام کرتے ہوئے کیونکہ ظرف میں وہ وسعت ہے جو کسی اور میں نہیں جیسے یا سارق الیلۃ اھل الدار اس میں اھل الدار سارق کا مفعول ہے اور سارق کی اضافت رات کی طرف ہے نہ کہ اھل الدار کی طرف ہے لہذا لفظ مالک کی اضافت اضافت معنویہ ہوئی، اضافت معنویہ معرفہ کا فائدہ دیتی ہے لہذا دونوں میں مطابقت پائی جارہی ہے۔

**سوال نمبر 57:** مالك یوم الدین کا معنی بیان فرمائیں؟

**جواب:** اس کا معنی ہے جو جزاء کے دن کا مالک ہے، **یا اس کا معنی ہے** اس دن میں اللہ کے لئے ہی بادشاہی ہے یہاں ترجمہ یا تو استمراری ہو گا یا ماضی کا ہو گا تا کہ اس میں اضافت معنویہ پائی جائے مالک کے اسم جلالت کی صفت واقع ہونے کے لئے، تو اس صورت میں یہاں اضافت معنویہ ہو گی جو کہ معرفہ کا فائدہ دیتی ہے۔

**نوٹ:** تین بار ایک ہی بات کو تاکیدا سمجھانے کے لئے کہا ہے۔

**اعتراض** 17: مالك يوم الدين کا معنی تو درست نہیں بن رہا کیونکہ ابھی تو یوم جزاء قائم ہوا ہی نہیں؟

**جواب:** یہاں اس کا معنی درست ہے کہ بعض اوقات مستقبل میں ہونے والے کاموں کو حال یا ماضی سے تعبیر کر دیتے ہیں جب اس کام کا ہونا یقینی ہو۔ جیسے آیت کریمہ: وَنَادٰى اَصۡحٰبُ الۡجَنَّةِ ترجمہ: اصحاب جنت نے پکارا۔ اس آیت میں یہ ترجمہ ماضی والا کیا جا رہا ہے حالانکہ ابھی تو انہوں نے پکارا ہی نہیں المختصر بلکل اسی طرح یہاں مالك يوم الدين کو بھی ماضی کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔

## **سوال نمبر** 58: دین کا معنی بیان فرمائیں؟

**جواب:** دین کا معنی جزاء بھی ہے جبکہ ایک قول کے مطابق شریعت ہے اور دوسرے قول کے مطابق اطاعت ہے تو معنی ہو گا جزاء کے دن کا مالک۔

**اعتراض** 18: لفظ یوم کو اضافت کے ساتھ کیوں مخصوص کیا گیا یعنی اس کی الدین کی طرف اضافت کیوں کی گئ؟

**جواب:** اس کو اضافت (یعنی یوم الدین) کے ساتھ دو وجہ سے موصوف کیا گیا:

(1) یا تو اس دن کی عظمت کو بیان کرنے کے لئے،

(2) یا جزاء کے دن میں حکم کو نافذ کرنے میں اللہ تعالیٰ کے منفرد ہونے کو بیان کرنے کے لئے یوم کو اضافت کے ساتھ موصوف کیا گیا یاد رہے آخرت میں فقط اللہ کا ہی حکم نافذ ہو گا اور کسی کو مجال نہ ہو گی جبکہ دنیا میں اللہ کے علاوہ کا بھی حکم نافذ ہوتا ہے۔

## **سوال نمبر** 59: صفات کو اللہ کی ذات پر جاری کرنے کی وجوہات بیان فرمائیں؟

**جواب**: ان اوصاف وصفات (یعنی رب العالمین، الرحمن الرحیم مالک یوم الدین) کو اللہ کی ذات پر جاری کرنے سے دلالت کرنا ہے اس بات پر کہ حمد کی مستحق اللہ کی ہی ذات ہے اللہ کے سواء کوئی بھی حمد کا مستحق نہیں۔ کیونکہ حکم کا وصف پر مرتب ہونا اس حکم کے لئے وصف کے علت ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اور اس بات کی خبر دینا مقصود ہے کہ جو ان صفات سے متصف نہیں وہ حمد کا اہل بھی نہیں چہ جائے کہ اس کی عبادت کی جائے پس یہ ایاك نعبد میں غیر کی عبادت کی نفی پر دلیل ہے یعنی تیری ہی عبادت کرتے ہے اس سے بقیہ کی عبادت کی نفی بھی ہوگئی۔

**سوال نمبر 60**: ان ترتب الحکم علی الوصف یشعر بعلیته له اس عبارت سے کیا بتانا مقصود ہے؟

**جواب**: اس عبارت سے مقصود حمد کو اللہ کے لئے ثابت کرنا ہے کہ یہ ایک ضابطہ ہے جو کئی مقامات پہ معاون ثابت ہوگا یہاں حمد کو اللہ کے وصف (یہ وصف اوصاف ثلاثہ کا مجموعہ ہے اوصاف جیسے عالمین کا رب ہونا، ان کو پالنا، ان کو تمام ظاہری و باطنی جلدی اور تاخیر سے نعمتیں عطا فرمانا ثواب وعقاب کے دن ان کے امور کا مالک ہونا) پر ثابت کرنا خبر دیتا ہے کہ یہ وصف اس حکم کے لئے علت ہے تو اب قاعدہ دوہرائیں کہ حکم کا (حمد کا ثابت ہونا حکم ہے) وصف (منعم، رب، مالک ہونا) پر مرتب ہونا (یعنی اللہ کی حمد کیوں کی کہ وہ منعم ہے) خبر دیتا ہے اس بات کی کہ یہ وصف اس حکم لگنے کی علت ہے۔ تھوڑا سا غور کریں گے انشاء اللہ سمجھ جائیں گے۔

**سوال نمبر 61**: اللہ کے چاروں اوصاف کی وضاحت فرمائیں؟

**جواب**: وصف اول: **(عالمین کا رب ہونا)** اس بات کو واضح کرتا ہے کہ حمد کا سبب مخلوق کو پیدا کرنا اور ان کو پالنا ہے، **اور وصف ثانی و ثالث: (رحمن ورحیم ہونا)** دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ رحمن و رحیم سے فضیلت حاصل کرنے والا ان میں اختیار بھی رکھتا ہے، **چوتھا وصف**: (یوم جزاء کا مالک ہونا) جزاء کے دن اسی کی بادشاہت ہوگی اس تخصیص کو ثابت کرنے کے لئے ہے کیونکہ اس کی بادشاہت کسی طرح بھی شرکت کو قبول نہیں کرتی اور حامدین سے جو وعدہ کیا گیا ہے اس کو پورا کرنے کو ثابت کرنے کے لئے اور اللہ کی عبادت اور حمد سے اعراض کرنے والوں کے لئے وعید کو ثابت کرنے کے لئے ہے۔

**سوال نمبر 62**: لیس یصدر منه لایجاب بالذات او وجوب علیه قضیة لسوابق الاعمال اس عبارت کی وضاحت فرمائیں؟

**جواب:** اس عبارت میں دو فرقوں کا رد کیا گیا ہے **پہلی عبارت:** کہ رب کے رحمن ورحیم میں اختیار سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ یہ اللہ پر واجب ہے اس میں فلاسفہ کا رد کیا گیا ہے۔

**فلاسفہ کا مؤقف:** فلاسفہ کہتے ہیں کہ رحم کرنا، مہربانی کرنا اللہ پر واجب ہے۔

**دوسری عبارت:** کہ رحمن ورحیم میں اختیار سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ سابقہ اعمال پر جزاء کے تقاضے کی وجہ سے رحم کرنا اس پر واجب ہے یہاں تک کہ وہ اس سے حمد کا مستحق ٹھہرے اس میں معتزلہ کا رد کیا گیا ہے۔

**معتزلہ کا مؤقف:** ان کے نزدیک بندے کو نیک اعمال کی جزاء دینا اور گناہوں کی سزا دینا اللہ پر واجب ہے۔

**سوال نمبر** 63: ایاك نعبد و ایاك نستعین اس آیت کی ماقبل سے مناسبت بیان کریں نیز یہاں خطاب کے ذریعے کلام کیوں لایا گیا جبکہ پہلے سارا کلام غیبت پر لایا گیا؟

**جواب:** ماقبل آیت میں اللہ کے حمد کا حقدار ہونے کو بیان کیا گیا اور اللہ کو بڑی بڑی صفات سے موصوف کیا گیا جن صفات کے ذریعے رب کی ذات بقیہ ذاتوں سے ممتاز ہوتی ہے اور مخاطب کا علم ایک معلوم معین کے ساتھ متعلق ہو گیا پھر ایاك نعبد کے ساتھ خطاب کیا گیا یعنی اے وہ ذات جس کی یہ شان ہے کہ ہم عبادت اور استعانت کو تیرے ساتھ ہی خاص کرتے ہیں یہاں خطاب کے ساتھ کلام کو لایا گیا تا کہ یہ اختصاص پر زیادہ دلالت کرے اور برھان سے مشاہدے کی طرف ترقی ہو غیبت سے شہود کی طرف انتقال ہو گویا کہ معلوم واضح ہو گیا اور معقول کا مشاہدہ ہو گیا اور غیب حاضر ہو گیا۔

<u>**سوال نمبر** 64: آغاز کلام اور آخر کلام کی بنیاد کس کی کیفیات پر رکھی گئی؟</u>

**جواب:** پہلے کلام (الحمد اللہ رب العالمین۔۔۔) کی بنیاد عارف باللہ کی ابتدائی حالت پر رکھی گئی وہ غور وفکر کرنا اور اللہ کے اسماء میں غور وفکر کرنا اس کی نعمتوں، نشانیوں میں غور وفکر کرنا اور اس کی کاریگری کے ساتھ رب کی شان کے عظیم ہونے اور اس کی بادشاہت کے غالب ہونے پر استدلال کرنا ہے، آخر کلام (ایاك نعبد و ایاك نستعین) کی بنیاد عارف باللہ کے معاملے کی انتہاء پر رکھی یعنی اس عارف باللہ کے معاملے کی انتہاء کو لے آئے اور وہ وصول کی گہرائی میں غوطہ زن ہونا ہے اور اہل مشاہدہ میں سے ہونا ہے پس عارف باللہ

جب اس مقام پہ پہنچ جاتا ہے تو اللہ کو اپنے سامنے دیکھتا ہے اور بالمشافہ اس ذات کا مشاہدہ کرتا ہے۔ اللہ ہمیں بھی ذات تک پہنچنے والوں میں سے بنائے نہ کہ فقط خبر کو سننے والوں میں سے" امین

**سوال نمبر 65:** اہل عرب کلام میں تفنن اور ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف عدول کیوں کیا کرتے تھے؟

**جواب:** یہ اہل عرب کی عادت میں سے تھا کہ وہ کلام میں تفنن اور ایک اسلوب سے دوسرے جدید اسلوب کی طرف عدول کیا کرتے تھے سامع کو چشت کرنے کے لئے اس کے نشاط کو برقرار رکھنے کے لئے۔

**سوال نمبر 66:** التفات کی تعریف مع اقسام بمع امثلہ بیان فرمائیں؟

**جواب:** التفات بلاغت کی اصطلاح ہے التفات کہتے ہیں ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف عدول کرنا۔

اس کی چھ اقسام ہیں: (1) تکلم سے خطاب کی طرف "مثال: وَمَالِیَ لَاۤ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ اور مجھے کیا ہے کہ اس کی بندگی نہ کروں جس نے مجھے پیدا کیا اور اسی کی طرف تمہیں پلٹنا ہے۔ اس آیت میں (اعبد) تکلم سے (ترجعون) خطاب کی طرف عدول کیا گیا ہے۔

(2) تکلم سے غیبت کی طرف "مثال: اِنَّاۤ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ اے محبوب بے شک ہم نے تمہیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ تو تم اپنے رب کے لئے نماز پڑھو۔ اس آیت میں (اعطینك) تکلم سے (صل) غیبت کی طرف التفات کیا گیا ہے۔

(3) خطاب سے تکلم کی طرف "مثال: تکلفنی لیلی وقد شط ولیها وعادت عواد بیننا وحروب

(4) غیبت سے خطاب کی طرف "مثال: مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ روزِ جزاء کا مالک اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ہم تجھی کو پوجیں اور تجھی سے مدد چاہیں۔ اس آیت میں غیب مالك یوم الدین سے خطاب ایاك نعبد کی طرف التفات کیا گیا۔

(5) خطاب سے غیبت کی طرف "مثال: حَتّٰۤی اِذَا كُنْتُمْ فِی الْفُلْكِ ۚ وَجَرَیْنَ بِهِمْ یہاں تک کہ جب تم کشتی میں ہو اور وہ اچھی ہوا سے انہیں لے کر چلیں۔ اس آیت میں خطاب کنتم سے جرین غیبت کی التفات کیا گیا۔

(6) غیبت سے تکلم کی طرف "مثال: وَاللّٰهُ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ الرِّیٰحَ فَتُثِیْرُ سَحَابًا اور اللہ ہے جس نے بھیجیں ہوائیں کہ بادل ابھارتی ہیں پھر ہم اسے کسی مردہ شہر کی طرف رواں کرتے ہیں۔

**سوال نمبر 67:** ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف عدول پر امراء القیس کے اشعار بیان فرمائیں؟

**جواب:** تطاول لیلك بالاثمد ونام الخلی ولم ترقد

ترجمہ: اے جان تیری رات مقام اثمد میں طویل ہو گئی اور جو شخص عشق سے کھالی ہے وہ نہ جاگا

وبات وباتت لہ لیلۃ　　　　　　کلیلۃ ذی العائر الارمد

ترجمہ: اور تم نے رات گزاری رات گزر بھی گئی مگر اس بے چینی کے ساتھ جس طرح اشوب چشم میں مبتلاء شخص کی گزرتی ہے

و ذلك من نباء جاءنی　　　　　　وخبرتہ عن ابی الاسود

ترجمہ: یہ سب اس خبر کی وجہ سے تھا جو مجھے دی گئی ابو الاسود کے بارے میں

ان شعار میں تین التفات ہیں **پہلا التفات:** میں تکلم سے خطاب کی طرف **دوسرا التفات:**(بات) میں ہے جو خطاب سے غیب کی طرف ہے **تیسرا التفات:** جاءنی غیب سے خبرت تکلم کی طرف ہے۔

## سوال نمبر 68: ایاك کی تحقیق بیان فرمائیں نیز اس کا محلا کیا اعراب آتا ہے؟

**جواب:** ایاك یہ اصل میں ایا ضمیر منصوب منفصل ہے اور اس کے ساتھ یاء، کاف اور ھاء کو لاحق کیا گیا ہے اور ان کو تکلم وخطابت اور غیبت کے لئے زائد کیا گیا ہے اور اس کا محلا کوئی اعراب نہیں یہ انت میں تاء اور ارایتك میں کاف کی طرح ہے۔

## سوال نمبر 69: امام خلیل ایاك کے بارے میں کیا فرماتے ہیں مع دلیل بیان فرمائیں نیز بقیہ قول بھی بیان فرمائیں؟

**جواب:** **امام خلیل فرماتے ہیں** کہ ایا یہ یاء، ھاء اور کاف کی طرف مضاف ہو رہا ہے **اس پر دلیل:** بعض اہل عرب سے یہ مقولہ اذا بلغ الرجل الستین فایاہ و ایا الشواب سے حکایت کیا گیا ہے آپ نے اس سے دلیل پکڑی ہے حالانکہ یہ شاذ ہے اس قول پر اعتماد نہیں کیا جاتا **دوسرا قول:** یہ (ایا) اور جو اس کے ساتھ حروف آتے ہیں یعنی یاء، ھاء اور کاف سب ضمیریں ہیں اور (ایا) ان کے لئے ایک سہارا ہے کیونکہ جب ان کو عوامل سے جدا کر دیا جاتا ہے تو اس اکیلے سے کلام متعذر، مشکل ہو جاتا ہے لہذا ان ضمائر کو مستقل طور پر پڑھنے کے لئے ایاء کو ان ضمائر سے ملا دیا گیا ہے۔

**تیسرا قول:** اِیا اور اس کے ساتھ یاء، کاف اور ھاء سب کے سب ضمیریں ہیں۔

## سوال نمبر 70: ایاك کو اور کس طرح پڑھا گیا ہے؟

**جواب**: ایاك کو ہمزہ کے فتح کے ساتھ اور حمزہ کو ھاہ سے بدلنے کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے یعنی اَیاک اور ھیاک۔

**سوال نمبر** 71: عبادت کا معنی بیان فرمائیں؟

**جواب**: عبادت کا معنی ہے عاجزی اور تذلل کی انتہاء اور اسی سے بنا ہے طریق معبد یعنی ذلیل راستہ اور اسی سے ثوب ذو عبدۃ بنا ہے اور یہ اس وقت کہا جاتا ہے جب اس کی بناوٹ میں انتہاء کی سختی ہو، کپڑا موٹا ہو اسی وجہ سے عبادت اللہ کے لئے عاجزی کے معنی میں ہی استعمال ہوتا ہے۔

**سوال نمبر** 72: استعانت کا معنی اور معونت کی اقسام بیان فرمائیں؟

**جواب**: استعانت کا معنی ہے مدد کو طلب کرنا اور معنوت کی دو قسمیں ہیں (1)**ضروریہ** (2)**غیر ضروریہ**

(1)ضروریہ جس کے بغیر بندہ کسی چیز کو بجا نہیں لا سکتا جیسے فاعل کا قادر ہونا اور اس کا تصور کرنا جاننا فعل اور ادراک کے ذریعے اور آلہ کا حصول اور وہ مادہ جس میں کام کرنا ہے اس میں معونت کے حصول کے وقت بندہ کو استطاعت سے موصوف کیا جاتا ہے اس وقت درست ہوگا کہ بندے کو بالفعل مکلف کہا جائے۔

(2)غیر ضروریہ وہ جس کے بغیر بھی بندہ قادر ہو جیسے کسی شی کا حصول ممکن ہو ہاں اس کے حصول سے کام آسان ہو جائے جیسے پیدل چلنے والے کے لئے سواری پر قدرت اور فاعل کو ترغیب دلائی جائے کسی فعل کی طرف یا اس کو اس کام پر ابھارا جائے اس قسم پر صحت تکلیف موقوف نہیں۔ اور مراد اس سے تمام مشکلات میں مدد طلب کرنا ہے یا عبادات کی ادائیگی میں مدد طلب کرنا ہے۔

**سوال نمبر** 73: نعبد و نستعین میں نحن ضمیر کا مرجع کیا ہے؟

**جواب**: اگر اکیلے نماز پڑھ رہا ہو تو نعبد و نستعین میں دونوں ضمیریں قاری اور اس کے محافظ فرشتوں کے لئے ہے اور اگر جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہو تو جو حاضرین ہیں ان کے لئے ہو گی اور اگر نماز سے باہر پڑھ رہا ہو تو یہ ضمیر اس کے لئے اور بقیہ تمام موحدین کے لئے ہو گی گویا کہ بندہ اپنی عبادت کو ان کی عبادت کی طہ میں داخل کرتا ہے اور اپنی حاجت کو ان کی حاجت کے ساتھ ملا دیتا ہے شائد کہ ان کی برکت سے اس کی عبادت کو قبول کر لیا جائے اور اس کی حاجت مقبول ہو اسی وجہ سے جماعت کو مشروع کیا گیا ہے۔

**سوال نمبر** 74: ایاك نعبد میں مفعول کو مقدم کرنے کی وجوہات بیان فرمائیں؟

**جواب:** ایاک مفعول کو مقدم کیا گیا ہے اس کی عظمت کی بنا پر اور اس کے اہم ہونے کی وجہ سے اور حصر پر دلالت کرنے کے لئے ،اسی وجہ سے ابن عباس فرماتے ہیں اس کا معنی ہے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں تیرے غیر کی نہیں۔اور یہ تقدیم وجود میں بھی مقدم ہے اور تنبیہ ہے اس بات پر کہ عابد کے لئے مناسب ہے کہ اولاً اس کی نظر معبود کی طرف ہو اور اس کی ذات سے عبادت کی طرف ہو نہ کہ اس عبادت کو اپنا کمال سمجھے بلکہ اس کو ایک وسیلہ ونسبت سمجھے اور بہت بڑا وسیلہ قربت سمجھے اپنے اور حق کے مابین،جو عارف ہوتا ہے اس کا وصول اس وقت ثابت ہوتا ہے جب یہ جناب قدس کی ذات میں مستغرق ہوتا ہے اور اس کے ماسواء تمام چیزیں اس سے اوجل ہو جاتی ہیں یہ نہ اپنے آپ کو ملاحظہ کر رہا ہوتا ہے اور نہ اپنی حالت کو ہاں یہ رب تعالیٰ کو ملاحظہ کر رہا ہوتا ہے اور اسی کی طرف لو لگائے ہوتا ہے اسی وجہ سے فضیلت دی گئی اس قول کو جسے رب تعالیٰ نے اپنے حبیب سے نقل فرمایا اپنے کلیم کے قول پر: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کو فضلیت ہے اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ پر۔

**<u>سوال نمبر 75: ایاك ضمیر کو متکرر کیوں لایا گیا؟</u>**

**جواب:** ضمیر کو متکرر لایا گیا اس بات پر تخصیص وتنبیہ کرنے کے لئے کہ حقیقی مددگار اللہ ہی ہے۔

**<u>سوال نمبر 76: عبادت کو استعانت پر کیوں مقدم کیا گیا؟</u>**

**جواب:** عبادت کو استعانت پر اس لئے مقدم کیا گیا تا کہ آیات کے آواخر کی موافقت ہو جائے اور یہ جان لیا جائے کہ وسیلہ کو کسی حاجت کے طلب پر مقدم کرنا قبولیت کے زیادہ قریب ہے۔اور پہلے متکلم نے عبادت کی نسبت اپنی طرف کی اس سے تکبر اور اعتداد کا وہم ہوا اس عبادت پر جو اس سے صادر ہوئی اس کے بعد ایاک نستعین لے آئے تا کہ دلالت ہو اس بات پر کہ عبادت اللہ کی مدد سے ہی مکمل و صحیح ہوتی ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ واؤ حالیہ ہے اور معنی ہے ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں تجھ سے مدد چاہتے ہوئے،ایک قراءت نعبد،نستعین دونوں کو کسرہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے یہ بنی تمیم کی لغت ہے یہ حروف مضارع کو کسرہ دیتے ہیں جب حروف مضارع کا ماقبل مضموم نہ ہوں سوائے یاء کے کہ اس پر کسرہ کے ثقیل ہونے کی وجہ سے۔

**<u>سوال نمبر 77: اهدنا الصراط المستقیم کی ماقبل کے ساتھ مناسبت بیان فرمائیں؟</u>**

**جواب:** یہاں معونت مطلوبہ کا بیان ہے گویا کہ کہا گیا ہے کہ میں کیسے تمہاری مدد کروں تو مؤمنین نے عرض کیا کہ ہمیں سیدھے راستے پہ چلا، **یامفرد ہونا بیان** کرنا ہے کہ یہ ہی مقصود اعظم ہے مراد اس سے تمام مہمات میں مدد طلب کرنا۔

**سوال نمبر** 78: ھدایت کے معانی بیان فرمائیں؟

**جواب:** ھدایت کہتے ہیں لطف کے ساتھ رہنمائی کرنا، جس سے بندہ اپنے مقصود تک پہنچ جائے اسی وجہ سے لفظ ھدایت خیر میں استعمال کیا جاتا ہے اور اسی سے مشتق ہے ھدیۃ ،اس سے فعل ھدی آتا ہے۔

**اعتراض نمبر** 19: یہاں ھدایت کا معنی لطف کے ساتھ رہنمائی کرنا درست نہیں کہ رب قرآن میں فرماتا ہے کہ: فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرٰطِ الْجَحِيْمِ ان کو جہنم کی طرف ہانکو لہذا جہنم کی طرف لطف کے ساتھ رہنمائی کیسے ہو سکتی ہے؟

**جواب:** اللہ فرماتا ہے: فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرٰطِ الْجَحِيْمِ یہاں پر تحکم کے طور پر لفظ ہدایت کو لایا گیا ہے۔

**اعتراض نمبر** 20: اھدنا فعل متعدی ہے اس کی اصل یہ ہے کہیہ لام یا الی کے ساتھ متعدی ہو تا لیکن یہاں نہ لام کے ساتھ اور نہ الی کے ساتھ استعمال ہوا ہے؟

جواب: یہاں پر (واختار موسی قومه) والا معاملہ کیا گیا ہے کہ اختار فعل بھی (من) کے ساتھ متعدی ہوتا ہے لیکن آیت میں بغیر (من) کے استعمال ہوا ہے لیکن پھر بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں کیونکہ یہاں منہ محذوف ہے لہذا اھدنا میں بھی (الی) کو محذوف کر دیا گیا۔

**سوال نمبر** 79: ھدایت کی کتنی اقسام ہیں؟

**جواب:** ھدایت کی کئی اقسام ہیں جن کو شمار نہیں کیا جاسکتا جیسے کہ اللہ فرماتا ہے: وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔

اگرچہ شمار ممکن نہیں لیکن ھدایت کئی اجناس مترتبہ میں منحصر ہے یہاں اس کی چار اقسام کو بیان کیا گیا۔

(1) وہ قوتیں عطا کرنا جن کے ذریعے بندہ مصالح تک رہنمائی حاصل کرنے پر قادر ہوتا ہے جیسے قوت عقلیہ اور حواس باطنیہ اور مشاعر ظاہرہ۔

(2) دلائل کو نصب کرنا ایسے دلائل جو حق و باطل اور صحیح و فاسد کے مابین فرق کرنے والے ہیں اسی کی طرح اشارہ فرمایا: وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ترجمہ کنزالایمان: اور اسے دو ابھری چیزوں کی راہ بتائی۔ دوسرے مقام پر یوں آیا: وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى ترجمہ: اور رہے ثمود انہیں ہم نے راہ دکھائی تو انہوں نے سوجھنے پر اندھے ہونے کو پسند کیا۔

(3) رسولوں کو بھیجنے کے ذریعے اور قرآن کو نازل کرنے کے ذریعے هدایت دینا اس قول سے یہ ہی مراد لیا گیا ہے: وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا، اور ہم نے انہیں امام کیا کہ ہمارے حکم سے بلاتے ہیں۔ دوسری مقام پر فرمایا: اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ ترجمہ: بیشک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے۔

(4) دلوں پر رازوں کو کھول دینا اور لوگوں کو اشیاء دیکھانا جیسے یہ وحی یا الہام یا سچے خوابوں کے ذریعے ہوگا یہ قسم انبیاء و اولیاء کے ساتھ ہی خاص ہے وہی اس مقام کو پاتے ہیں اللہ فرماتا ہے: اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ، یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی تو تم انہیں کی راہ چلو۔ دوسرے مقام پر فرمایا: وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ترجمہ: اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھادیں گے۔

**اعتراض نمبر 21**: جب بندہ نماز پڑھتا ہے تو ہدایت پر ہوتا لہذا اس کے باوجود وہ ہدایت کی دعا کیوں مانگتا ہے؟

**جواب: آیت کریمہ** اهدنا الصراط المستقیم سے یا تو جو ہدایت دی گئی ہے اس میں زیادتی طلب کرنا مقصود ہے،

**یا تو اس پر ثابت** قدمی طلب کرنا مقصود ہے، **یا اس ثابت قدمی پر** جو مراتب حاصل ہوتے ہیں ان کو طلب کرنا مقصود ہے۔

**اعتراض نمبر 22**: یہ آیت جب کوئی عارف باللہ پڑھے گا تو اس کے حق میں تو معنی درست نہ ہوگا کیونکہ وہ تو ان مراتب کو پا چکا ہے؟

**جواب:** ہاں جب کوئی عارف باللہ جو پہنچا ہو یہ آیت پڑھے تو مراد ہوگا اے مولیٰ ہماری سیر فی اللہ والے راستے کی طرف رہنمائی فرما تاکہ تو ہم سے ہمارے احوال کی تاریکیاں مٹادے اور ہمارے بدنوں کے پردوں کو دور کر دے تاکہ ہم تیرے نور قدس سے منور ہو جائیں ہم تیرے نور کے ساتھ دیکھے۔

**نوٹ:** سیر کی دو قسمیں ہیں جو آپ اعتقاد الاحباب میں پڑھ کر بھول چکے (1) **سیر فی اللہ** (2) **سیر الی اللہ**

(1) سیر الی اللہ دنیا کو عبور کرنا ہے (2) سیر فی اللہ، اللہ کے اجلال انوار میں ترقی کرنا ہے۔

**سوال نمبر** 80: امر اور دعا میں کیا فرق ہے؟

**جواب:** امر اور دعا لفظی اور معنوی طور پر مشترک ہیں ہاں ان میں فرق استعلاء اور تسفل کے ذریعے ہو گا اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ان میں فرق رتبے کے ذریعے ہو گا جیسے ہمارا اھدنا کہنا دعا ہے اور رب کا اقیموا کہنا امر ہے۔

**سوال نمبر** 81: کلمہ صراط کی تحقیق فرمائیں؟

**جواب:** لفظ سراط (سرط الطعام) سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی کھانے کو نگل لے گویا کہ راستہ بھی قافلہ کو نگل جاتا ہے قافلے کو نگلنے کی وجہ سے طریق کو لقمہ بھی کہا جاتا ہے گویا راستہ ان کو لقمہ بنالیتا ہے۔

**سراط میں سین کو صاد سے بدل** دیا تا کہ صاد کی طاء کے ساتھ صفت اطباق میں مطابقت ہو جائے یعنی سین حروف منفتحہ میں سے ہے اور طاء حروف مطبقہ میں سے ہے اسی طرح صاد بھی حروف مطبقہ میں سے ہے لہذا سراط میں سین کو صاد سے بدل دیا تا کہ صاد صفت اطباق میں طاء کے مطابق ہو جائے۔ اور کبھی کبھار صاد کو زاء کی بو دے کر بھی پڑھا جاتا ہے یعنی زاء اور سین حروف منفتحہ میں سے ہیں اور مبدل منہ یعنی سین ہے لہذا صراط میں صاد کو زاء کی بو دے کر پڑھا جاتا ہے تا کہ یہ مبدل منہ (سین) کے قریب ہو جائے۔

**سوال نمبر** 82: صراط کے بارے میں قراء کی قراءت بیان فرمائیں؟

**جواب:** **ابن کثیر نے اپنے شاگرد قنبل** سے روایت کرتے ہوئے اور رویس نے یعقوب سے روایت کرتے ہوئے

صراط کو اصل (سین) کے ساتھ پڑھا ہے **اور امام حمزہ نے** اشمام کے ساتھ پڑھا ہے **اور باقی قراء نے** صاد کے ساتھ پڑھا ہے اور صاد کے ساتھ پڑھنا لغت قریش ہے اور یہی مصحف عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں ثابت ہے۔

**سوال نمبر** 83: صراط کی جمع بیان فرمائیں نیز یہ مونث ہے یا مذکر اور اس کا معنی بیان فرمائیں؟

**جواب:** اس کی جمع سُرُط ہے جیسے کتاب کی کتب اور مذکر و مؤنث ہونے میں یہ طریق کی طرح ہے یعنی دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے ایسے ہی مستقیم بھی مذکر و مؤنث میں برابر ہے، سراط سے مراد طریق حق ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ صراط سے مراد ملت اسلام ہے۔

**سوال نمبر84:** صِرٰطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ترکیب میں کیا واقع ہو رہا ہے؟

**جواب:** یہ پہلے صراط سے بدل کل بن رہا ہے اور بدل کل تکرار عامل کے حکم میں ہوتا ہے اس اعتبار سے کہ بدل مقصود بانسبت ہوتا ہے اور اس کا فائدہ تاکید اور تنصیص کرنی ہے اس بات پر کہ مسلمانوں کا ہی وہ راستہ ہے جس کے سیدھا ہونے پر موکد و بلیغ طریقے کے ساتھ گواہی دی جاچکی ہے کیونکہ صراط الذین۔۔۔۔ پہلے کے لئے تفسیر اور بیان کی طرح ہیں گویا کہ یہ بتانا مقصود ہے کہ اس بات میں کوئی خفاء نہیں کہ سیدھا راستہ وہی ہے جو مومنین کا راستہ ہے۔

**سوال نمبر85:** فرمایا الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ انعام یافتہ کون لوگ ہیں؟

**جواب:** **ایک قول کے** مطابق اس آیت میں انعام یافتہ لوگوں سے مراد انبیاء کرام ہیں اور **دوسرے قول** کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب اور **تیسرے قول** کے مطابق حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے وہ اصحاب مراد ہیں جو تحریف اور نسخ سے پہلے تھے اور اس کو ایک قراءت میں صراط من انعمت علیھم بھی پڑھا گیا ہے۔

**سوال نمبر86:** نعمت کا معنی بیان فرمائیں؟

**جواب:** انعام کہتے ہیں نعمت پہنچانا اور یہ اصل میں: ایسی حالت کو کہتے ہیں جس سے انسان لذت حاصل کرتا ہے لطف اندوز ہوتا ہے پھر اس کا استعمال ہر اس چیز پر ہونے لگا جو لذت کا سبب بنے، اور یہ نون کے فتحہ کے ساتھ نَعمة سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے نرمی۔

**سوال نمبر87:** نعمت کی کتنی قسمیں ہیں؟

**جواب:** اگرچہ اللہ کی نعمتیں بے شمار ہیں اللہ فرماتا: وَاِنۡ تَعُدُّوۡا نِعۡمَةَ اللّٰهِ لَا تُحۡصُوۡهَا

تاہم یہاں یہ دو جنسوں میں منحصر ہے: **(1) دینی** **(2) اُخروی**

**پہلی قسم دنیاوی:** اس کی دو قسمیں ہیں: **(1) موھبی** **(2) کسبی**

**مزید موھبی کی دو قسمیں ہیں:** **(1) روحانی** **(2) جسمانی**

**روحانی کی مثال:** انسان میں روح کو پھونکنا اور انسان کو عقل کے ذریعے روشن کرنا اور مزید جو قوتیں اس کے پیچھے آتی ہیں جیسے فہم و فکر اور بولنا وغیرہ۔

**جسمانی کی مثال:** بدن کی تخلیق کاری، وہ طاقتیں جو بدن میں سموئی ہوئی ہیں اور وہ کیفیات جو اس کے بدن کو عارض ہیں جیسے صحت، کمال اعضاء۔

**(2) کسبی:** نفس کو رذائل سے پاک کرنا اور اس کو اخلاق حسنہ کے ساتھ اور نفسانی کیفیات سے مزین کرنا اور بدن کو شریعت کے مزاج کے مطابق خوبصورت زیورات سے مزین کرنا اور عزت ومال کا حصول وغیرہ۔

**(2) اُخروی:** جو بندے کے گناہ وخامیاں ہیں ان کو اللہ بخش دے اور اللہ اس بندے سے راضی ہو جائے اور بندہ مومن کو اعلیٰ علیین میں مقرّب ملائکہ کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ جگہ عطا فرمائے۔

**اور یہاں مراد آخری قسم** آخرت کی نعمتیں اور ان کو پانے کے وسائل ہیں کیونکہ ان نعمتوں میں مؤمن وکافر دونوں شامل ہیں جیسے روح کا پھونکنا اور بدن کو پیدا کرنا وغیرہ

**سوال نمبر 88**: غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ (الذین) سے کیا کیا واقع ہو سکتا ہے؟

**جواب:** غیر۔۔۔۔الذین سے بدل بن رہا ہے اس وقت اس کا معنی ہو گا: جن پر انعام کیا گیا ہے وہ لوگ ہیں جو غضب وگمراہی سے سلامت رہے، اور یہ اسم موصول الذین کے لئے صفت مبینہ بھی بن سکتا ہے یا صفت مقیدہ بھی بن سکتا ہے تو معنی ہو گا وہ لوگ جن پر انعام کیا گیا وہ جامع ہے مطلق نعمت (نعمت ایمان) اور غضب وگمراہی سے سلامتی کو۔

## تمہید: جواب سے پہلے صفت مبینہ اور مقیدہ کو سمجھ لیں

**صفت مبینہ کی تعریف**: وہ صفت جو موصوف کے ابہام کو دور کر دے اور موصوف کی وضاحت بھی کر دے اس کو صفت کاشفہ بھی کہا جاتا ہے۔

**صفت مقیدہ کی تعریف**: وہ صفت جو موصوف عام کی تخصیص کے لئے ذکر کی جائے۔

**اعتراض نمبر 23**: غیر، قبل بعد وغیرہ اسماء مضاف ہونے کے باوجود معرفہ واقع نہیں ہوتے کیونکہ یہ متوغل فی الابھام ہیں لہذا (غیر) الذین اسم موصول سے صفت واقع نہیں ہو سکتا کیونکہ موصوف وصفت میں مطابقت ضروری ہے جو یہاں نہیں پائی جا رہی؟

**جواب:** غیر المغضوب۔۔۔۔کا دو تاویلوں کے ساتھ اسم موصول الذین کی صفت واقع ہونا صحیح ہو گا۔

**پہلی تاویل:** اسم موصول کو نکرہ کے قائم مقام کر دیں کیونکہ اس میں الف لام سے معہود کا قصد نہیں کیا گیا یہ الف لام عہد خارجی کا اور الف لام عہد خارجی معرفہ کے حکم میں ہوتا ہے جیسے کہ اس قول میں: ولقد امرعلی اللئیم یسبنی ترجمہ: میں جس کمینے شخص کے پاس سے گزرتا ہوں وہ مجھے گالی دیتا ہے اور ان کا قول: انی لامرعلی الرجل مثلك فیکرمنی ترجمہ: میں ایسے شخص کے پاس سے گزرا جو تیری مثل ہے پس وہ میری عزت واحترام کرتا ہے۔

**پہلی مثال:** میں اللئیم پر الف لام عہد ذہنی ہے یہاں اس سے تعریف کا فائدہ نہیں لیا گیا کیونکہ اسی صورت میں اس شخص کی فضیلت نہ ہو گی کیونکہ کسی خاص شخص کا گالی دینا اس کو برداشت کرنا اس پر تو کوئی فضیلت نہیں کمال تو یہ ہے کہ جو بھی گالی دے اس کو جواب نہ دے اس مثال میں اللئیم موصوف اور یسبنی صفت ہے۔

**دوسری مثال:** اس میں الرجل پہ الف لام تو عہد ذہنی ہے اس سے نکرہ کا معنی لیا گیا ہے کہ ہر ایسا شخص جو تیری مثل ہے وہ میری عزت کرتا ہے اسی طرح الذین پہ الف لام عہد ذہنی کا ہے جو نکرہ کا فائدہ دیتا ہے لہذا موصوف وصفت میں مطابقت پائی گئی۔

**المختصر:** جیسے ان امثلہ سے الف لام آنے کے باوجود نکرہ کا معنی لیا جاسکتا ہے اسی طرح الذین سے بھی الف لام آنے کے باوجود نکرہ کا معنی لیا جاسکتا ہے۔

**دوسری تاویل:** غیر مضاف ہونے کی وجہ سے معرفہ واقع ہو جائے گا کیونکہ قاعدہ ہے کہ لفظ غیر جب دو ضدوں کے مابین واقع ہو تو تعریف کا فائدہ دیتا ہے جیسے الحرکت غیر السکون آیت میں بھی پہلی ضد وہ لوگ جن پر انعام کیا گیا اور دوسری جو گمراہ ہوئے ان کے مابین غیر واقع ہوا لہذا اس کا الذین سے صفت واقع ہونا درست ہے۔

## سوال نمبر 89: غیر کو منصوب پڑھنے کی وجوہات بیان فرمائیں؟

**جواب:** امام ابن کثیر نے غیر کو ضمیر مجرور علیھم سے حال کی بناء پر منصوب پڑھا ہے اس حال میں عامل انعمت ہو گا **یا غیر** سے پہلے اعنی فعل محذوف نکالیں گے لہذا مفعول کی بناء پر اس کو منصوب پڑھا جائے گا یا استثناء کی وجہ سے غیر کو منصوب پڑھا جائے گا یعنی اس وقت غیر الّا کے معنی میں ہو گا اگر نعمتوں کی تفسیر ایسی چیز کے ساتھ کرے جو دونوں قبیلوں کا فرومومن کو عام ہو یا دنیاوی اور اُخروی نعمتوں کو عام ہو۔

**سوال نمبر90:** غضب کا معنی بیان فرمائیں نیز جب اس کی نسبت رب کی طرف کی جائے تو اس سے کیا مراد ہو گا؟

**جواب: غضب کا معنی:** انتقام کے ارادے کے وقت نفس کا جوش مارنا، جب اس کی نسبت رب کی طرف کی جائے تو معنی ہو گا نقصان پہنچانے کا ارادہ کرنا۔

**سوال نمبر91:** علیھم کا محلا اعراب بیان فرمائیں مع وجہ کے؟

**جواب:** علیھم محلا مرفوع ہے کیونکہ مغضوب کا نائب الفاعل ہے ہاں پہلے والا علیھم محلا منصوب ہے انعمت کا مفعول ہونے کی وجہ سے

**سوال نمبر92:** ولا الضالین میں لا کونسا ہے؟

**جواب:** ولا الضالین میں لا زائدہ ہے جس کو غیرؔ میں پائے جانے والے معنی کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے گویا کہ یوں کہا گیا ہے: لا المغضوب علیھم ولا الضالین۔

**سوال نمبر93:** انا زیدا غیر ضارب پہ کیا اعتراض وارد ہوتا ہے نیز انا زیدا مثل ضارب والی مثال کیوں صحیح نہیں؟

**جواب:** اس مثال پہ ایک **اعتراض وارد ہوتا ہے** کہ یہ مثال درست نہیں کیونکہ اس میں زیدا جو کہ مفعول ہے یہ اپنے عامل ضارب (جو غیر کا مضاف الیہ ہے) پہ مقدم ہے جو کہ درست نہیں لہذا یہ مثال درست نہیں۔

**اعتراض کا جواب:** یہاں **غیر** لا کے حکم میں ہے کیونکہ غیر لا کے معنی کو بھی شامل ہوتا ہے گویا کہ یہاں اضافت کالعدم ہے یعنی ایسے ہے جیسے ہے ہی نہیں لہذا یہ مثال درست ہے کہ جہاں عامل کو مقدم کرنا جائز ہو وہاں معمول کو مقدم کرنا بھی جائز ہوتا ہے ہاں مضاف الیہ کو مضاف پر مقدم کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح مضاف الیہ کے معمول کو بھی مقدم کرنا جائز نہیں لہذا یہ مثال درست ہے اس میں زید کو (جو کہ معمول ہے) ضارب (جو مضاف الیہ ہے غیر کا) پر مقدم کرنا جائز ہے کیونکہ یہاں اضافت کالعدم کی طرح ہے۔

**رہی دوسری مثال:** انا زیدا مثل ضارب یہ درست نہیں کیونکہ اس میں مضاف الیہ کا معمول زید مضاف پر مقدم ہے جو کہ جائز نہیں۔

**سوال نمبر94:** ولا الضالین کی دوسری قراءت نیز ضلال کا معنی بھی بیان فرمائیں؟

**جواب:** اس کو غیر الضالین بھی پڑھا گیا ہے، **ضلال کا معنی:** اس کا معنی ہے سیدھے راستے سے جان بوجھ کر یا غلطی سے ہٹ جانا۔

اس کا مفہوم بہت زیادہ وسیع ہے اس کے ادنی (لغزشیں) اور انتہاء (کفر) میں بہت زیادہ فرق ہے۔

**سوال نمبر** 95: غیر المغضوب علیھم ولا الضالین سے کون لوگ مراد ہیں؟

**جواب**: المغضوب علیھم سے یہودی مراد ہیں اس **پر دلیل** کہ اللہ ان کے بارے میں فرماتا ہے: مَنۡ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيۡهِ،

اور ضالین سے نصاری مراد ہیں اس **پر دلیل** کہ اللہ فرماتا ہے: قَدۡ ضَلُّوۡا مِنۡ قَبۡلُ وَاَضَلُّوۡا كَثِيۡرًا ترجمہ: جو پہلے گمراہ ہو چکے اور بہتوں کو گمراہ کیا۔ اس بارے میں حدیث مرفوع بھی مروی ہے کہ یہاں یہود و نصاری مراد ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا: بے شک **مغضوب علیھم** یہودی ہیں اور ضالین نصاری ہیں۔

**اس کی ایک توجیہ** یہ بھی ہو سکتی ہے: کہ **مغضوب علیھم** سے مراد گناہ گار ہیں اور الضالین سے وہ لوگ مراد ہیں جو اللہ سے جاہل و ناواقف ہیں۔

**اعتراض نمبر** 24: مصنف علیہ الرحمہ کا گناہ گار اور الضالین سے جو اللہ سے ناواقف ہو مراد لینا یہ تو حدیث کے مخالف ہے اور اس پر زیادتی کرنا ہے؟

**جواب**: یہ کوئی زیادتی نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہود و نصاری مراد لینا بطور ضرب المثل تھا ان کو ہی خاص نہیں کیا گیا لہذا اس سے کسی اور کو مراد لینا حدیث پر زیادتی نہیں کیونکہ جس پر انعام کیا گیا ہے اسے معرفت حق اور اچھے عمل کو جمع کرنے کی توفیق دی گئی ہے پس اس کا جو مد مقابل ہو گا وہ ہو گا جو قوت عاقلہ اور عاملہ میں سے یعنی معرفت حق سے غافل ہو گا اور جو عمل کو چھوڑنے والا ہو گا وہ فاسق مغضوب علیہ کہلائے گا، جو جان بوجھ قتل کرے اس کے بارے میں اللہ فرماتا ہے: وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ، اور جس کو علم ہی نہ ہو وہ جاہل گمراہ ہو گا اللہ فرماتا ہے: فَمَاذَا بَعۡدَ الۡحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ترجمہ: پھر حق کے بعد کیا ہے مگر گمراہی۔

**سوال نمبر** 96: ولا الضالین کی دوسری قراءت بیان فرمائیں؟

**جواب**: ولا الضالین میں صاد کے بعد الف کو ہمزہ بھی پڑھا گیا ہے اس کی لغت پر جس نے التقاء ساکنین سے بھاگنے کی کوشش کی ہے اجتماع ساکنین کی دو قسمیں ہیں (1) **اجتماع ساکنین علی الحد** (2) **اجتماع ساکنین علی غیر الحد**

(1) **اجتماع ساکنین علی الحد**: ساکن کے بعد دوسرا ساکن اسی کلمہ میں ہو: وَلَا الضَّآلِّيۡنَ۔

**اجتماع ساکنین علی الحد کا حکم:** اکثر کے نزدیک جائز اور بعض کے نزدیک ناجائز ہے۔

(2) **اجتماع ساکنین علی غیر الحد:** ساکن کے بعد دوسرا ساکن دوسرے کلمہ میں ہو۔

**اجتماع ساکنین علی غیر الحد کا حکم:** ناجائز ہے

**سوال نمبر** 97: امین کا معنی نیز اس کو اور کس طرح پڑھا گیا ہے مع دلیل بیان فرمائیں؟

**جواب:** آمین اسم فعل ہے اس کا معنی ہے قبول کر، حضرت ابن عباس سے روایت کیا گیا ہے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے امین کے معنی کے بارے میں سوال کیا تو فرمایا: افعل یعنی قبول فرما آمین کو مبنی علی الفتح پڑھا گیا جیسے این کو التقاء ساکنین سے بچنے کے لئے مبنی بر فتح پڑھا گیا ہے کیونکہ یہ این نون ساکن کے ساتھ تھا اسی طرح آمین کا نون ساکن تھا اجتماع ساکنین سے بچنے کے لئے مبنی بر فتح پڑھا گیا۔ **اور اس کو الف** کے لمبا کرنے اور الف کو بغیر لمبا کئے بھی پڑھا گیا ہے جیسے کہ اس پر دو شعر شاھد ہیں:

ویرحم اللہ عبدا قال آمینا

مجنون بن قیس نے کہا تھا جس بندے نے آمین کہا اللہ اس پر رحم فرمائے۔

**دوسرا شعر:** اَمینَ فزاد اللہ ما بیننا بعدا

ترجمہ: ایسا ہی ہو کہ اللہ ہمارے درمیان دوری کو بڑھادے۔

**سوال نمبر** 98: آمین قرآن کا حصہ ہے یا نہیں؟

**جواب:** بالاتفاق وبالاجماع آمین قرآن سے نہیں لیکن ختم سورتِ فاتحہ پہ کہنا سنت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سورہ فاتحہ کی قراءت سے فراغت کے وقت جبریل نے مجھے آمین سکھائی اور فرمایا: آمین کتاب پر مہر کی طرح ہے اور مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ہے کہ: آمین رب العالمین کی مہر ہے جو وہ اپنے بندوں کی دعاؤں پر لگاتا ہے۔

**سوال نمبر** 99: نماز میں آمین کہنے پر شوافع واحناف کا موقف بیان فرمائیں نیز امام مقتدی کے لئے کیا حکم ہے؟

**جواب: امام شافعی** کے نزدیک جہری نمازوں میں امام جہری طور پر آمین کہہ گا، **دلیل:** وائل بن حجر سے مروی ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سورہ فاتحہ پڑھا کرتے تو آمین کو اونچی آواز سے پڑھا کرتے تھے۔

**امام اعظم کے نزدیک:** امام آمین نہیں کہہ گا یہ قول ضعیف ہے جبکہ ان سے مشہور قول یہ ہی ہے کہ امام بھی آمین کہہ گا مگر آہستہ،

**دلیل:** وہ حدیث جسے عبد اللہ بن مغفل اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کیا ہے۔

اور ساتھ مقتدی بھی آمین کہہ گے، **دلیل:** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: امام جب ولا الضالین کہہ تو تم آمین کہو بیشک ملائکہ بھی آمین کہتے ہیں تو جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہوئی اس کے سابقہ گناہ بخش دیئے جائے گے۔

## **سوال نمبر** 100: سورہ فاتحہ کی فضلیت میں احادیث بیان فرمائیں؟

**جواب:** حضرت ابو ھریرہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب سے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسی سورت کی خبر نہ دوں جس کی مثل تورات، انجیل اور قرآن میں نازل نہیں کی گئی (یعنی قرآن میں کسی دوسرے مقام پر نازل نہیں کی گئی) عرض کی کیوں نہیں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا: سورت فاتحہ یہ بار بار پڑھی جانے والی ہے اس قرآن عظیم کی قسم جو مجھے عطا کیا گیا۔

**ابن عباس سے مروی ہے کہ:** ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارگاہ میں تھے کہ جبھی ایک فرشتہ حاضر خدمت ہوا عرض کی: کیا میں آپ کو ایسے دو نوروں کی خبر نہ دوں جو آپ کو ہی عطا کئے گئے ہیں آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیئے گئے عرض کیا وہ: فاتحہ الکتاب ہے اور سورت بقرہ کی آخری آیات ان میں سے آپ کو ہر ہر حرف پڑھنے پر اجر دیا جائے گا۔

**حضرت حذیفہ بن یمان سے مروی ہے** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی قوم پر اللہ عذاب کرنے کا حتمی فیصلہ فرمالیتا ہے پس دنیا میں کوئی بچہ سورہ فاتحہ پڑھتا ہے تو اللہ اسے سنتا ہے تو اس سورت کی برکت سے دنیا والوں سے عذاب کو چالیس سال تک اٹھالیتا ہے

## **سوال نمبر** 101: حروف مقطعات کو کیا نام دیا گیا ہے مع دلیل بیان فرمائیں نیز مسمیات سے کیا مراد ہے؟

**جواب:** الم اور بقیہ تمام الفاظ جن کے ذریعے اسماء کے ہجے کئے جاتے ہیں ان کو اسماء کہا جاتا ہے ان کو اسماء کہنے پہ دلائل:

(1)ان حروف کے اسم کی تعریف میں داخل ہونے کی وجہ سے اسم کہا گیا ہے اور (2)اسم کے ساتھ جو چیزیں خاص ہیں ان ان چیزوں کے اسماء میں پائے جانے کی وجہ سے جیسے معرفہ، نکرہ جمع، تصغیر وغیرہ ہونا امام خلیل اور ابو علی نحوی نے بھی اس بات کی صراحت فرمائی ہے اور مسمیات وہ حروف جن سے کلام کو مرکب کیا جاتا ہے۔

**اعتراض** 25: حدیث پاک (ابن مسعود سے روایت ہے کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کتاب اللہ کا ایک حرف پڑھے گا اس کو دس نیکیاں ملے گیں اور مزید اس کی مثل دس گنا ملے گیں، میں یہ نہیں کہتا کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف لام ایک حرف میم ایک حرف ہے) میں تو الم اور ان کی مثل کو حروف کہا گیا جبکہ صاحب بیضاوی نے تو ان کو اسماء کہا ہے؟

**جواب**: اس کا دو طرح سے جواب دیا گیا ہے:

(1) یہاں حرف سے وہ حرف مراد نہیں جو فعل و اسم کے مقابلے میں آتا ہے بلکہ لغوی معنی طرف، کنارہ مراد ہے کیونکہ اسم کی اصطلاح جو نحویوں کے نزدیک ہے وہ نئی نئی ہے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ تھی۔

(2) اگر ہم مان بھی لیں کہ یہاں اسم سے مراد اسم اصطلاحی ہے تب بھی اعتراض وارد نہیں ہوتا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدلول بول کر دال مراد لیا ہے مدلول وہ حروف جن سے کلمہ مرکب ہوتا ہے لہذا لفظ حقیقت میں تو اسم ہے اور مجازا حرف ہے۔

**اعتراض** 26: الف، لام میم وغیرہ الفاظ کو صورت مخصوصہ سے کیوں خاص کیا گیا نیز ان کے علاوہ کسی اور سے بھی ابتداء ہو سکتی تھی تو ان مسمیات سے ہی کیوں آغاز کیا؟

**جواب**: یہ مسمیات الگ الگ حروف ہیں جن سے اسماء مرکب ہوتے ہیں لہذا ان حروفوں کے مابین سے مسمی کو معین کر دیا گیا اور انہی مسمیات سے اس لئے ابتداء کی گئی تا کہ ان اسماء کی ادائیگی سب سے پہلے مسمیات کے ساتھ کانوں کو ٹکرائے۔

**سوال نمبر** 102: الم میں الف کی جگہ ہمزہ لانے کی وجہ بیان فرمائیں؟ جواب: اس کو سمجھنے سے پہلے اس کو سمجھے:

| اسم | | | مسمی |
|---|---|---|---|
| الف | الف سے پہلا حرف لیا وہ ہے | ← | ا |
| لام | لام سے پہلا حرف لیا وہ ہے | ← | لا |
| میم | میم سے پہلا حرف لیا وہ ہے | ← | م |

لام اس سے پہلا حرف لیا اسی طرح میم سے پہلا حرف میم کو لیا اب رہا الف سے پہلا حرف چونکہ الف ہے اور الف ساکن ہوتا جس سے ابتداء متعذر ہے لہذا یہاں اس کی جگہ ہمزہ کو ادھار لیا گیا۔

**اس سوال سے پہلے ایک تمہید:** ان حروف مقطعات کے بارے میں نحویوں کا اختلاف ہے کہ یہ معرب ہیں یا مبنی بعض نے کہا: یہ مبنی بر سکون ہیں اور بعض نے کہا: یہ نہ مبنی ہے اور نہ معرب اور بعض نے کہا اعراب کو قبول کرنے کی وجہ سے یہ معرب ہیں مصنف بیضاوی نے ان کے معرب و مبنی ہونے کی وضاحت نہیں کی ہاں بعد میں ان کے بارے میں اپنا مؤقف بیان کیا۔

**سوال نمبر 103:** ان اسماء کے بارے میں صاحب بیضاوی کس مذھب کو اختیار فرماتے ہیں؟

**جواب:** صاحب بیضاوی فرماتے ہیں جب تک ان اسماء سے کوئی عامل نہ ملا ہو تب تک یہ موجب اعراب اور مقتضی (اعراب کا تقاضا کرنے والے) کے نہ پائے جانے کی وجہ سے ساکن اور اعراب سے خالی ہیں ہاں یہ اعراب کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور اعراب کے لئے تیار بھی ہیں کیونکہ یہ مبنی الاصل کے مشابہ نہیں ہیں۔

**سوال نمبر 104:** ان اسماء کے مبنی الاصل کے ساتھ مشابہ نہ ہونے کی دلیل مثال سے دیں؟

**جواب:** جب تک ان سے کوئی عامل نہ مل جائے تب تک یہ اعراب سے خالی ہے ہاں اعراب کو قبول کرنے کی صلاحیت ضرور ہے کیونکہ یہ مبنی الاصل کے مشابہ نہیں۔

**دلیل:** (ص) اور (ق) کو ساکن کے ساتھ پڑھا جاتا ہے اس میں التقاء ساکنین ہونے کے باوجود بھی حالانکہ التقاء ساکین دو ساکنوں کا جمع ہونا درست نہیں اور یہ سکون وقف معرب کا ہے جبکہ مبنی کا سکون بناء کا ہوتا ہے اور مبنی میں دو ساکن جمع نہیں ہوتے جبکہ معرب میں ہو جاتے ہیں لہذا یہ اسماء اعراب کو قبول کرنے والے ہیں مبنی نہ ہونے کی وجہ سے ان کے ساتھ این اور ھؤلاء والا معاملہ نہیں کیا گیا کیونکہ مبنی میں التقاء ساکین جائز نہیں اسی وجہ سے این میں نون کو فتح دیا گیا اور ھؤلاء میں ہمزء کو کسرہ کے ساتھ پڑھا گیا تاکہ اجتمائے ساکنین نہ ہو۔

**تمہید:** سورتوں کو حروف مقطعات کے ساتھ شروع کرنے کی صاحب کشاف نے تین وجوہات بیان کی ہیں (1) یہ سورتوں کے نام ہیں (2) بیدار کرنے کے لئے ان کو شروع میں لایا گیا (3) یہ دلائل اعجاز کا مقدمہ ہیں مصنف علیہ الرحمہ نے آخری دو کو ذکر فرمایا پہلی کو

قیل کے ساتھ بیان کیا پھر چار وجوہات جن کو بغیر قیل کے ذکر فرمایا اور پھر چار وجوہات کو صیغہ مجہول کے ساتھ بیان کیا تو یہ ٹوٹل گیارہ وجوہات بن گئی۔

## **سوال نمبر** 105: سورتوں کو حروف مقطعات کے ساتھ شروع کرنے کی وجوہات تفصیلا بیان فرمائیں؟

**جواب**: یاد رہے ان اسماء کے مسمیات کلام کی بنیاد اور بسائط ہیں جن سے اسماء مرکب ہوتے ہیں سورتوں کو حروف مقطعات کے ساتھ شروع کرنے کی گیارہ وجوہات ہیں: بعض سورتوں کو ان اسماء تہجی کے ایک حصے کے ساتھ شروع کیا گیا:

(1) اس شخص کو بیدار کرنے کے لئے جسے قرآن کے ساتھ چیلنج کیا گیا ہے اور (2) تنبیہ کرنے کے لئے اس بات پر کہ جو ان پر پڑھا جاتا ہے اس کی اصل ایسا کلام ہے جو منظوم، مرکب ہے اس سے جس سے یہ اپنے کلاموں کو منظوم، مرکب کرتے ہیں اگر قرآن اللہ کی طرف سے نہ ہوتا تو یہ لوگ باہمی تعاون اور ان کی فصاحت کے قوی ہونے کے باوجود اس کے ہم مثل لانے سے عاجز نہ ہوتے۔

(3) تاکہ اولاً جو کانوں کو ٹکرائے وہ مستقل طور پر اعجاز کی قسم سے ہو کیونکہ اصل مقصد ان کو عاجز کرنا ہے، اور ان اسماء سے کلام کرنا لکھنے، پڑھنے والے کے ساتھ خاص ہے بہر حال اس کا صدور اس امی سے ہونا جو کبھی کاتب سے ملا ہی نہ ہو عجیب وغریب اور بعید از عقل خلاف عادت ہے خاص طور پر لکھنا، پڑھنا تو بغیر استاذ کے ممکن ہی نہیں۔

(4) یہ سورتوں کے نام ہیں اس وجہ سے شروع میں لایا گیا۔ (5) یا یہ تنبیہ کے لئے زائد کئے گئے ہیں۔ (6) ان کلمات کی طرف اشارہ ہے جن سے یہ مخفف ہیں۔ (7) یا یہ حروف مبسوطہ پر دلالت کرنے والے ہیں (8) یا یہ قرآن کے نام ہیں (9) یا یہ اللہ کے نام ہیں (10) الف انتہاء حلق سے ادا ہوتا ہے اور یہ مبداء المخارج ہے اور لام زبان کے کنارے سے ادا ہوتا ہے یہ اوسط المخارج ہے اور میم ہونٹوں سے ادا ہوتا ہے یہ آخر المخارج ہے ان کو جمع کیا اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ بندے کے کلام کا اول، اوسط، آخر اللہ کا ذکر ہونا چاہئے (11) یہ راز ہیں جن کو اللہ نے اپنے علم کے ساتھ خاص کیا ہے۔

## **سوال نمبر** 106: حروف مقطعات میں اللہ نے کن کن چیزوں کی رعایت کی ہے تفصیل کے ساتھ تمام تعجب خیز معلومات کی وضاحت فرمائیں؟

**جواب:** اللہ نے ان اسماء (جو ہمارے ہاں عرف میں حروف مقطعات کے نام سے معروف ہیں) کے تلفظ میں ایسی چیزوں کی رعایت فرمائی ہے جس سے بڑے بڑے ادیب جو اس فن میں ماہر ہیں وہ بھی عاجز آگئے وہ اس لئے کہ ان سورتوں کے شروع میں ایسے چودہ اسماء کو ذکر کیا گیا جو حروف تہجی کے اسماء کا نصف ہیں۔ اگر الف کو مستقلا شمار نہ کیا جائے تو اٹھائیس سورتوں کے شروع میں اگر الف کو شمار کیا جائے تو حروف تہجی کی تعداد کے مطابق انتیس سورتوں کے شروع میں حروف مقطعات (جو حروف کی انواع کے نصف پر مشتمل ہیں) کو ذکر کیا گیا ہے

**تعجب خیز معلومات:** حروف مہموسہ میں سے اس کے نصف (حاء، ھاء، صاد، سین، کاف،) کو سورتوں کے شروع میں ذکر فرمایا اور حروف مجہورہ میں سے نصف کو ذکر فرمایا جس کا مجموعہ (لن يقطع امر) اور حروف شدیدہ کے نصف کو ذکر فرمایا جن کا مجموعہ (اقطك) اور حروف رخوہ کے نصف کو ذکر فرمایا جن کا مجموعہ (حمس على نصره) اور حروف مطبقہ کے نصف (صاد، طاء) کو ذکر فرمایا اسی طرح حروف منفتحہ کے نصف کو ذکر فرمایا اور حروف قلقلہ کے نصف اقل کو ذکر کیا حروف قلقلہ کے کم ہونے کی وجہ سے اور حروف لین سے یاء کو ذکر کیا ان کے اقل ہونے کی وجہ سے اور مستعلیہ کے نصفِ اقل کو ذکر فرمایا اسی طرح حروف منخفضہ کے نصف کو ذکر فرمایا اور حروف بدل سے جو مشہور و معروف ہیں جن کا مجموعہ اهطمين کو ذکر فرمایا اور بعض کے ہاں حروف بدل اٹھارہ ہیں جن سے نو کو ذکر فرمایا چھ جو ذکر ہوئے اور تین یہ ہیں: لام، صاد، عین اور وہ حروف جو اپنے ہم مخرج میں مدغم ہوتے ہیں اور جن قریب المخارج میں مدغم نہیں ہوتے یہ پندرہ حروف ہیں ان میں سے نصف اکثر (حاء، قاف، کاف، راء، سین، لام، نون) کو ذکر فرمایا ان کے نصف اکثر کو اس لئے ذکر فرمایا کیونکہ ادغام میں خفت اور فصاحت پائی جاتی ہے اور وہ حروف جو اپنے قریب المخارج میں مدغم نہیں ہوتے وہاں ان کے قریب الخارج ان میں مدغم ہرتے ہیں ان کے نصف کو ذکر فرمایا اور حروف ذلقیہ اور حلقیہ دونوں کے ثلث کو ذکر کیا کیونکہ ان کا استعمال کلام میں بہت زیادہ ہوتا ہے۔

**سوال نمبر 107:** درج ذیل کی تعریف (جن کی کتاب میں ذکر کی گئی ہے) نیز وہ کون کونسے حروف ہیں ذکر فرمائیں؟

**جواب:** (1) مہموسہ (2) مجھورہ (3) شدیدہ (4) رخوہ (5) مطبقہ (6) منفتحہ (7) قلقلہ (8) مستعلیہ (9) منخفضہ (10) حروف بدل (11) جو اپنے ہم مخرج میں مدغم ہوتے ہیں لیکن قریب المخارج میں نہیں (12) جو اپنے قریب المخارج میں مدغم نہیں ہوتے لیکن ان کے قریب المخارج میں مدغم ہوتے ہیں (13) ذلقیہ (14) حلقیہ۔

**مہموسہ:** وہ حروف جن کا اپنے مخرج پر اعتماد کمزور ہو۔ ان حروف کا مجموعہ (ستشحثك خصفه)۔

**مجہورہ:** حروف مہموسہ کے علاوہ بقیہ مجہورہ ہیں۔

**شدیدہ:** ان کا مجموعہ اجدت طبقك۔

**رخوہ:** حروف شدیدہ کے علاوہ بقیہ رخوہ ہیں۔

**قلقلہ:** وہ حروف جو ادائیگی کے وقت مضطرب ہوتے ہیں ان کا مجموعہ قد طبج۔

**مستعلیہ:** وہ حروف جن کی ادائیگی کے وقت آواز تالو کے اوپر والے حصے میں چڑتی ہے، ان کا مجموعہ خص ضغط قظ ہے۔

**بدل:** امام سیبویہ نے جن کو ذکر کیا ہے اور امام ابن جنی نے اختیار کیا ہے گیارہ حروف ہیں جن کا مجموعہ: اجد طویت منھا ہے بعض نے ان گیارہ پر سات اور حروفوں کو زائد کیا ہے اصیلال میں لام، صراط، زراط میں طاء، زاء اور اجداف میں فاء، اعن میں عین، ثروغ الدلو میں ثاء، با اسمك میں باء تو یہ اٹھارہ ہوگئے۔

**جواپنے** ہم مخرج میں مدغم ہوتے ہیں اور قریب المخارج میں نہیں ہوتے پندرہ حروف ہیں (ہمزہ ،ھاء، عین، صاد، طاء، میم، یاء، خاء، غین، ضاد، فق ء، ظاء، شین، زاء اور واؤ)

**جواپنے** قریب المخارج میں مدغم نہیں ہوتے ہاں ان کے قریب کے قریب المخارج میں مدغم ہوتے ہیں وہ میم، ر، ق، شین، فاء ہیں۔

**حروف زلقیہ:** وہ حروف جن کی ادائیگی کے وقت زبان کی نوک سے سہارا لیا جاتا ہے یہ چھ حروف ہیں جن کا مجموعہ رب منفل ہے۔

**حلقیہ:** یہ چھ ہیں: حاء، خاء، عین، غین، ھاء، ھمزہ۔

<u>**سوال نمبر**108: حروف زائد کو زائد کیوں کہتے ہیں نیز ان میں سے سات حروف سے سورتوں کا آغاز کیوں کیا گیا ہے؟</u>

**جواب:** کیونکہ صیغہ مزید فیہ میں سات حروف ہی ہیں یہ صیغہ سات حروف سے تجاوز نہیں کرتا ان کا مجموعہ الیوم تنساہ ہے ان میں سات کو ذکر کیا تاکہ تنبیہ ہو جائے اس بات پر کہ مزید فیہ کا وزن سات حروف سے تجاوز نہیں کرتا۔

**خلاصہ کلام:** اگر آپ کلمات اور تراکیب میں چھان بین کرے تو آپ جن حروف کو چھوڑا گیا ہے ذکر دہ حروف کی بانسبت کم ہی پائیں گے۔

**سوال نمبر 109:** اسمائے مقطعات کو مفرد، ثلاثی، ثنائی کی صورت میں کیوں ذکر کیا گیا؟

**جواب:** اللہ تعالیٰ نے اسمائے مقطعات کو مفرد، ثنائی، ثلاثی، رباعی، خماسی سے شروع فرمایا اس بات کی خبر دینے کے لیے کہ جس کے ذریعے چیلنج کیا گیا ہے وہ انہی کے کلمات سے مرکب ہے جن کے اصول مفرد اور دو سے پانچ تک سے مرکب ہیں۔

**سوال نمبر 110:** کتنی صورتوں کے شروع میں مفردات، ثنائیات، ثلاثیات، رباعیات، خماسیات کو ذکر فرمایا نیز ان کے وجوہات بھی بیان فرمائیں؟

**جواب:** تین مفردات (ص،ق،ن) کو تین سورتوں میں ذکر کیا کیونکہ یہ مفردات اقسام ثلاثہ میں پائے جاتے ہیں جیسے کاف ضمیر اسم میں، ق **فعل** میں، واو حرف عطف **حرف** میں پایا جاتا ہے اور چار ثنائیات (طس، طه، یس، حم) کو ذکر فرمایا کیونکہ ثنائیہ حرف میں بغیر حذف کے بھی آتا ہے جیسے بل اور فعل میں حذف کے ساتھ جیسے قل اور اسم میں بغیر حذف کے جیسے مِن اور حذف کے ساتھ جیسے دم ، اور ان کو نو سورتوں میں ذکر کیا کیونکہ اقسام ثلاثہ میں سے ہر ایک کی تین صورتیں ہیں (ضمہ، فتحہ، کسرہ) اسماء میں من، اذ، ذو اور افعال میں قل، بع، خف اور حروف میں خذ، من، آن (ان لوگوں کی لغت پر جو ان کے ذریعے اسم کو جر دیتے ہیں یعنی ان کو جو حروف جر مانتے ہیں) اور تین ثلاثیات (الم، الر، طسم) (ثلاثیات کے اقسام ثلاثہ میں آنے کی وجہ سے ان ثلاثیات کو تیرا سورتوں میں ذکر کیا تنبیہ کرتے ہوئے اس بات پر کہ اسماء و افعال کے استعمال ہونے والے اصول ابنیہ تیرا ہیں دس اسماء کے لئے اور تین افعال کے لئے ہیں) اور رباعیات (المص، المر) خماسیات (کھیعص، حم عسق) کو ذکر فرمایا تنبیہ کرتے ہوئے اس بات پر کہ ان میں سے ہر ایک اصل ہے جیسے جعفر، سفرجل اور ان کے ملحقات جیسے قردد، جحنفل۔

**اعتراض نمبر 27:** حروف مقطعات کو یکبارگی کیوں ذکر نہیں کیا گیا یا ایک ہی سورت میں ذکر کر دیا جاتا؟

**جواب:** ان اسماء کو مختلف سورتوں پر تقسیم کیا گیا قرآن کے شروع میں تمام کو نہیں لایا گیا تا کہ چیلنج کا بار بار اعادہ ہوتا رہے اور تنبیہ کا تکرار ہو جائے اور اس میں مبالغہ بھی ہو جائے تو معنی بنے گا: کہ یہ متحدی بہ جس کے ذریعے چیلنج کیا گیا ہے حروف کی جنس سے مرکب ہیں یا مؤلف ہیں متحدی بہ کی جنس سے۔

**سوال نمبر** 111: حروف مقطعات کو صورتوں کے اسماء کیوں کہا گیا؟

**جواب:** حروف مقطعات سورتوں کے اسماء ہیں اسی پر اکثر کا اتفاق بھی ہے بہر حال حروفِ مقطعات کو سورتوں کے اسماء کہا گیا یہ خبر دینے کے لئے کہ یہ سورتیں ایسے کلمات سے مرکب ہیں جن کی ترکیب معروف کلمات ہیں۔

**سوال نمبر** 112: اس پر کیا دلیل ہیں کہ سورتیں اللہ کی طرف سے وحی ہیں؟

**جواب:** اگر یہ اللہ کی طرف سے وحی نہ ہوتی تو معارضہ کے وقت اہل عرب کی قوت وطاقت ساقط نہ ہوتی، **کیونکہ اگر یہ کلمات بامعنی** نہ ہوں تو ان کے ذریعے خطاب کرنا مہمل کے ساتھ خطاب کرنے کی طرح ہو جائے گا ایسے ہی جیسے حبشی کا عربی کے ساتھ کلام کرنا نہ اس کو سمجھ آئے نہ اس کو اور غیر معنی ہونے کی صورت میں سارے کا سارا قرآن نہ بیان ہو گا نہ ہی ہدایت اور اس کے ساتھ چیلنج کرنا بھی ممکن نہ ہو گا **اور اگر یہ کلمات بامعنی ہوں** دو حال سے خالی نہ ہوں گے یا تو ان کلمات سے مراد ان سورتوں کے القاب و اسماء ہوں گے جو حروف تہجی کے شروع میں ہیں یا تو سورتوں کے نام نہ ہوں گے ان سے کوئی دوسرے معنی مراد ہوں یہ دوسری صورت تو باطل ہے کیونکہ جب ان کا کوئی دوسرا معنی ہو گا اسے لغت عرب میں وضع کیا گیا ہو گا (یہ تو باطل ہے کیونکہ ان کو لغت عرب میں کسی اور معنی کے لئے وضع نہیں کیا گیا) اگر لغت عرب کے علاوہ میں ان کو وضع کیا گیا ہو تو یہ بھی باطل ہے کیونکہ قرآن کو اہل عرب کی ہی لغت پر نازل کیا گیا ہے اللہ فرماتا ہے: بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ ترجمہ: روشن عربی زبان میں۔ لہذا ان کو اس شی پر محمول نہیں کیا جائے جو ان کی لغت میں نہیں ہے۔

**اعتراض نمبر** 28: کیوں جائز نہیں ہے کہ یہ حروفِ مقطعات تنبیہ کے لئے زائد ہوں اور کلام کے منقطع ہونے اور دوسرے کے جملہ مستانفہ ہونے پر دلالت کریں؟

**جواب:** صاحب بیضاوی فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ تنبیہ کے لئے زائد معروف نہیں ہے اور نہ ہی انقطاع پر دلالت کرنے کے لئے معروف ہیں اور رہا استیناف یہ تو ان کو بھی لازم اور غیر کو بھی لازم ہے اس کے علاوہ یہ بھی تو جملے مستانفہ بنتے ہے اس اعتبار سے کہ یہ سورتوں کے شروع میں آنے والے ہیں اور یہ بات اس کا تقاضا نہیں کرتی کہ ان کا کوئی معنی نہ ہو کہ انہیں زائد کہہ دیا جائے۔

**اعتراض نمبر29:** کیوں جائز نہیں ہے کہ یوں کہا جائے یہ اسماء ان کلمات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہیں جو انہیں سے ہیں یعنی جو انہیں کے مخفف ہیں ان پر شاعر کے اختصار کرنے کی طرح اختصار کیا گیا ہے: قلت لہا فقالت قاف اس میں قاف مخفف ہے وقفت یا اقف کا؟

**جواب:** اہل عرب کی لغت میں (حروف) کلمات معینہ سے اختصار کے لئے استعمال نہیں کئے گئے بہر حال رہی شعر کی بات تو یہ شاذ ہے۔

**اعتراض نمبر30:** ابن عباس کا فرمان ہے کہ الف سے مراد اللہ کی نعمتیں ہیں لام سے اس کا لطف اور میم سے اس کی بادشاہت اور انہیں سے مروی ہے کہ الر، حم، ن، ان کا مجموعہ رحمن ہے اور الم کا معنی میں رب زیادہ جانتا ہوں اسی طرح بقیہ حروف مقطعات کے بارے میں فرمایا اور انہی سے یہ بھی مروی ہے کہ الف سے مراد اللہ لام سے جبریل اور میم سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں یعنی قرآن اللہ کی طرف سے جبریل کی زبان کے ذریعے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ان اقوال سے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حروف مخففات ہیں؟

**جواب:** ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان ان حروف پر تنبیہ کرنے کے لئے ہے کہ یہ اسماء کا سرچشمہ اور خطاب کے مبادی ہیں اور اچھی امثلہ کے ساتھ تمثیل ہیں تھوڑا سا غور کرے کہ حضرت ابن عباس نے ہر حرف کو کلمات متباینہ سے شمار کیا ہے جو نہ تو ان کی تفسیر ہے نہ ان کو انہی معانی کے ساتھ خاص کرنا مقصود ہے کیونکہ یہاں لفظاً اور معنیً کوئی مخصص نہیں ہے۔

**اعتراض نمبر31:** یہ کہنا کیوں جائز نہیں کہ ان حروف کے اعداد سے مراد قوموں کی مدتیں اور آجال مراد ہیں جیسے کہ ابو العالیہ نے اس روایت سے دلیل پکڑی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہود آئے آپ نے ان پر الم بقرہ کی تلاوت فرمائی تو انہوں نے اس سے اس کا حساب لگایا عرض کیا ہم کیسے اس دین میں داخل ہوں جس کی مدت 71 سال ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے انہوں نے عرض کیا، کیا اس کے علاوہ بھی ہے فرمایا المص، الر، الم تو انہوں نے عرض کیا ہم پر معاملہ خلط ملط ہو گیا

ہے ہم ان میں سے کس کو اختیار کریں۔ اس حدیث میں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ترتیب کے مطابق ان پر تلاوت فرمانا اور ان کو ان کے استنباط پر قائم رکھنا ان حروف کے ابجد ہونے پر دلیل ہے؟

**جواب:** ان حروف کو قوموں کی مدت اور حساب کے لئے وضع نہیں کیا گیا یہاں تک کہ ان کو معربات کے ساتھ ملا دیا جائے اور حدیث پاک اس پر دلیل نہیں کہ ہو سکتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی جہالت سے تعجب کرتے ہوئے مسکرائے ہوئے ہوں۔

**اعتراض نمبر** 32: کیوں جائز نہیں کہ یہ حروف حروف مبسوطہ پر دلالت کرتے ہوں جن سے قسم کھائی جاتی ہے ان حروف کے شرف کی وجہ سے کیونکہ یہ حروف اسماء اللہ کے بسائط اور اس کے خطاب کے مادے ہیں؟

**جواب:** ان حروف کو مقسم بہ بنانا اگرچہ ممنوع نہیں ہے لیکن اس میں کئی اشیاء کو پوشیدہ ماننے کی طرف محتاجگی ہے جن پر کوئی دلیل نہیں

**اعتراض نمبر** 33: کیوں جائز نہیں ہے کہ کہا جائے: سورتوں کے نام ان حروف تہجی کو لغت عرب سے نکال دیتے ہیں کیونکہ اہل عرب کے نزدیک وہ نام جو تین یا تین سے زائد حروف پر مشتمل ہوں ان کو بہت برا سمجھا جاتا ہے؟

**جواب:** تین اسماء کے ساتھ نام رکھنا اس وقت ممتنع ہے جب مرکب ہوں اور ان کو بعلبك کی طرح ایک نام بنا دیا جائے ہاں اگر ان کو الگ الگ شمار کیا جائے تو اس طرح نام رکھنا نہ برا ہے نہ ہی ممتنع ہے جیسے امام سیبویہ نے پورے ایک جملے اور شعر کے ایک مصرعے اور اسمائے حروف تہجی کے ایک حصے کو الگ الگ نام رکھنے کو جائز کہا ہے اسی طرح یہاں بھی جائز ہے۔

**اعتراض نمبر** 34: جب ان حروف کو سورتوں کے اسماء کہہ گے تو اسم و مسمی کا ایک ہونا لازم آئے گا کیونکہ جزء کل سے موخر ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اس اعتبار سے کہ اسم رتبے میں مسمی سے موخر ہوتا ہے؟

**جواب:** اس سے اسم و مسمی کا ایک ہونا لازم نہیں آتا کہ مسمی مجموع سورت کا نام ہے اور اسم اس کا جزء ہے لہذا اتحاد لازم نہیں آتا کیونکہ مسمی ذات کے اعتبار سے مقدم ہے اور اسم ہونے کے اعتبار سے موخر ہے لہذا دونوں جہتوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے ان کا ایک ہونا لازم نہیں آتا کہ پہلے ذات ہوتی ہے پھر اس کا نام رکھا جاتا ہے تو جب الم کا نام رکھا جائے گا تو پہلے ذات کے اعتبار سے مسمی ہو گا اور نام رکھے جانے کے اعتبار سے پہلے اسم ہو گا۔

**سوال نمبر113: حروف مقطعات کے بارے میں راجح قول مع وجہ کے بیان فرمائیں؟**

**جواب:** گیارہ اقوال میں سے پہلا قول راجح ہے کیونکہ پہلی وجہ تحقیق کے زیادہ قریب ہے اس لئے کہ جو تحقیق کے زیادہ قریب ہو وہی اقرب الی التحقیق ہوتی ہے کیونکہ اس کا اسم ہونا یقینی ہے اور یہ ہی لطائف تنزیل کے زیادہ موافق ہے کیونکہ جو لطائف تنزیل کے زیادہ موافق ہو وہی اقرب الی التحقیق ہوتا ہے اور اعلام میں لزوم نقل اور وقوع اشتراک سے بھی محفوظ ہے جو ایک ہی واضع کی طرف سے ہو کیونکہ ان میں نقض وارد ہونے سے علیمت کا مقصود باطل ہو جاتا اور امتیاز نہیں رہتا علیمت کا مقصود تھا کہ التباس واقع نہ ہو تو جب ان میں التباس واقع ہو جائے گا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

**سوال نمبر114: حروف مقطعات کا اعراب تفصیلا بیان فرمائیں؟**

**جواب:** حروف مقطعات کو اگر اللہ کے اسماء یا اسم قرآن یا سورت کا نام بنایا جائے تو ان کے لیے اعراب بھی ہو گا۔

(1) **ان کو مرفوع پڑھا جائے گا** یا مبتداء ہونے کی وجہ سے یا خبر کی بناء پر مرفوع پڑھا جائے گا،

(2) یا فعل قسم مقدر کی وجہ سے منصوب پڑھے گے جیسے اللہ لافعلن یا اس کے علاوہ فعل مقدر کی وجہ سے منصوب پڑھا جائے گا،

(3) **یا حرف قسم کے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے** مجرور پڑھا جائے گا یاد رہے یہ اعراب لفظی طور پر آئے گا اور حکایتی طور پر ان میں آئے گا جو مفرد ہوں گے یا مفرد کے ہم وزن ہوں گے جیسے حٰم یہ ھابیل کی طرح ہے **اور حکایتی اعراب فقط انہی میں ہو گا** (یعنی اعراب اور حکایتی اعراب ان میں ہو گا جو مفرد یا مفرد کے ہم وزن ہوں گے بقیہ میں فقط حکایتی اعراب ہو گا اعراب نہیں ہو گا)،

**اگر اسمائے مقطعات** کو ان کے معانی پر باقی رکھیں (1) تو اگر مؤلف من ھذہ الحروف سے مقدر مانے تو مبتداء کی وجہ مرفوع پڑھا جائے گا یا خبر کی بناء پر مرفوع پڑھا جائے گا۔ (2) اگر ان کو مقسم بہ بنادیں تو یہ منصوب ہوں گے یا مجرور جیسے اللہ لافعلن کذا، پس یہ جملہ قسمیہ بنے گے فعل مقدر کے ساتھ اگر ان کو بعض کلمات شمار کیا جائے (3) یا حروف تنبیہ کی جگہ اصوات بنادیا جائے تو ان کے لئے محلا کوئی اعراب نہیں ہو گا۔ جیسے جملہ مستانفہ کا محلا کوئی اعراب نہیں ہوتا اور مفردات زید، عمر بکر وغیرہ حروف مقطعات پہ وقف تام کیا جائے گا جب مابعد کسی کو مقدر ماننے کی حاجت نہ کو۔ اور یہ دلالت اگر چہ عربی میں معروف نہیں ہاں لوگوں کے مابین مشہور ہیں

یہاں تک کہ اہل عرب نے ان کو معربات کے ساتھ ملادیا ہو جیسے مشکاۃ حبشی زبان کا لفظ ہے عربی میں استعمال ہوتا ہے اس کو معرب کے ساتھ ملادیا گیا اسی طرح سجیل فارسی کا اور قسطاس یہ رومی کا لفظ ہے۔

**سوال نمبر** 115: حروف مقطعات کے اسماء قرآن اور اسماء اللہ ہونے پر دلیل بیان فرمائیں؟

**جواب:** یہ قرآن کے اسماء ہیں اسی وجہ سے انکے ذریعے کتاب کی خبر دی گئی ہے اللہ فرماتا ہے: الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ اللہ کے نام ہیں مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کا فرمان اس پر دلالت کرتا ہے آپ فرمایا کرتے تھے کھیعص یا حمعسق شائد کہ اس سے مراد آپ کی یہ تھی کہ اے کھیعص کو نازل کرنے والے، حمسق کو نازل کرنے والے۔

**سوال نمبر** 116: بعض نے کہا کہ حروف مقطعات اللہ اور رسول کے درمیان راز ہیں جو دوسروں پر ظاہر کرنا مناسب نہیں اس کا کیا جواب ہے نیز ان کے راز ہونے کو کن لوگوں نے روایت کیا ہے؟

**جواب:** ایسا نہیں ہو سکتا کیونکہ اس صورت میں یہ لایعنی کہلائے گے اور لایعنی چیز کے ساتھ خطاب کرنا بعید از عقل ہے اللہ کی یہ شان نہیں۔ ان کے اسرار الہی ہونے کو خلفاء اربعہ نے روایت کیا ہے جو اسی معنی کے موافق ہے اور صحابہ کرام نے بھی روایت کیا جو اس کے قریب قعریب ہے معنی میں، جیسے کہ حاشیہ میں مرقوم ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حکایت کیا گیا فرمایا: ہر کتاب کے راز ہوتے ہیں اور اللہ کے راز سورتوں کے اوائل (یعنی حروف مقطعات) ہیں۔

**سوال نمبر** 117: حروف مقطعات کن کے ہاں آیات ہیں اور کن کے ہاں نہیں نیز وہ کون کون سے حروف ہیں وضاحت فرمائیں؟

**جواب:** کوفیوں کے علاوہ سب کے نزدیک حروف مقطعات میں سے کوئی بھی آیت نہیں ہے۔

**کوفی:** ان کے نزدیک الم جہاں بھی آیا ہے آیت ہے اور المص، کھیعص، طه، طسم، یس، حم، سب الگ طور پر ایک ایک آیت ہے اور حم عسق دو آیتیں ہیں باقی الر، طس، ص، ق، ن، المر آیات نہیں ہیں یاد رہے حروف مقطعات کا آیت ہونا یا نہ ہونا توقیفی ہے یعنی ان کا آیت ہونا یا نہ ہونا روایات سے جانا گیا ہے اس میں قیاس کو کوئی دخل نہیں۔

**سوال نمبر** 118: ذلک الکتاب میں ذلک اسم اشارہ کا مشار الیہ بیان فرمائیں؟

**جواب:** اس کا مشار الیہ الم ہے اگر الم کی تاویل المؤلف من هذه الحروف سے کی جائے یا اس کی تفسیر سورت یا قرآن سے کی جائے کہ یہ اسمائے سورت یا اسمائے قرآن ہے۔ یا اسم اشارہ کا مشار الیہ الکتاب ہے جو اس (یعنی ذلک) کی صفت بن رہی ہے۔

**اعتراض نمبر 35:** ذلک اسم اشارہ بعید کے لئے آتا ہے جبکہ یہاں اشارہ قریب کی طرف ہے اس کے باوجود اسم اشارہ بعید لایا گیا ہے؟

**جواب:** یہاں اسم اشارہ بعید اس لئے لایا گیا اس کی دو وجہیں ہیں:

(1) کہ اس کے مشار الیہ کے بارے میں کلام ہو گیا اور جو کہنا تھا کہہ لیا گیا لہذا اب یہ اس اعتبار سے قریب نہ رہا بلکہ دور ہو گیا کہ اس کا کلام بہت پہلے ہو چکا۔

(2) یا مرسِل (اللہ) سے مرسَل (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف پہنچ گیا تو یہ بعید ہو گیا لہذا اس کی طرف اشارہ کیا گیا اس اسم شارہ کے ساتھ جس سے بعید کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

**اعتراض نمبر 36:** اگر ذلک کا مشار الیہ الکتاب کو بنایا جائے تب تو اسم اشارہ بعید سے اشارہ درست نہیں ہو گا؟

**جواب:** اسم اشارہ بعید سے اشارہ کرنا درست ہے کیونکہ کتاب سے مراد وہ کتاب ہے جس کے نازل کرنے کا قرآن میں وعدہ کیا گیا تھا اللہ فرماتا ہے: اِنَّا سَنُلۡقِیۡ عَلَیۡکَ قَوۡلًا ثَقِیۡلًا ترجمہ: بے شک عنقریب ہم تم پر ایک بھاری بات ڈالیں گے۔ یا وہ کتاب مراد ہے جس کا پہلی کتب میں وعدہ کیا گیا تھا لہذا کتاب کی طرف ذلک سے اشارہ کرنا درست ٹھہرا۔

**اعتراض نمبر 37:** جب الم سے مراد سورۃ لیا جائے تو اس وقت تو اسم اشارہ مؤنث آنا چاہیے حالانکہ یہاں مذکر لایا گیا؟

**جواب:** یہاں اس کو مذکر لانے کی دو وجہیں ہیں:

(1) اسم شارہ کو اس لئے مذکر لایا گیا کہ الکتاب ذلک کی خبر بھی مذکر ہے کیونکہ قاعدہ ہے کہ: جب ضمیر یا اسم اشارہ مبتدا اور خبر کے درمیان آجائے مبتدا اور خبر دونوں میں کوئی ایک مذکر ہو یا مؤنث تو ضمیر اور اسم شارہ کو ان میں کسی ایک رعایت کرتے ہوئے مذکر بھی لایا جاسکتا ہے اور مؤنث بھی لاسکتے ہیں۔

(2) یا کتاب کے ذلک کی صفت واقع ہونے کی وجہ سے اسم اشارہ مذکر لایا گیا کہ جب صفت مذکر موصوف بھی مذکر۔

**سوال نمبر 119**: لفظ **کتاب** کی صرفی تحقیق بیان فرمائیں نیز عرف میں کتاب کا اطلاق کس پر کیا جاتا ہے؟

**جواب**: الکتاب مصدر ہے مبالغہ کرنے کے لئے اس کو مکتوب بولا جاتا ہے اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ فعال بمعنی مفعول کے ہے جیسے لباس بمعنی ملبوس ایسے ہی کتاب بمعنی مکتوب کے ہے۔ **عرف میں** کتاب لکھے جانے سے پہلے ان الفاظ پر بولا جاتا ہے جو ذہن میں ہوں کیونکہ یہ منظوم والفاظ ان میں سے ہیں جن کو لکھا جائے گا۔ کتاب کی جمع کتب آتی ہے اسی سے کتیبہ (مجتمع لشکر) بھی بنا ہے۔

**اعتراض نمبر 39**: اللہ نے فرمایا لا ریب فیہ اس میں کوئی شک نہیں حالانکہ اس میں شک کرنے والے تو کثیر ہیں؟

**جواب**: یہاں لاریب سے مراد ہے اس کے واضح ہونے اور اس کی دلیل کے روشن ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اس اعتبار سے کہ عقل مند صحیح طرح غور وفکر کے بعد قرآن کے وحی ہونے میں کوئی شک نہیں کرے گا وہ جو وحی حد اعجاز کو پہنچی ہوئی ہے۔ یہ معنی نہیں ہے کہ اس میں شک کرنے والا ہی کوئی نہیں نہ نہ آپ اللہ کے فرمان میں غور تو کرے فرمایا: وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا۔

اللہ نے ان سے شک کو دور نہیں کیا بلکہ ان کو ایسا راستہ بتایا جو ان سے شک کو دور کر دے گا وہ طریقہ یہ ہے کہ وہ لوگ قرآن کی آیات کے معارضہ میں جہاں تک ہو سکے کوشش کرے اور انتہاء درجے کی کوشش کریں یہاں تک جب وہ اس سے عاجز آجائیں تو ان کے لئے یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہو جائے کہ اس کتاب میں کسی شبہ کی گنجائش ہی نہیں اور نہ اس میں کسی شک کو دخل ہے۔

**سوال نمبر 120**: لاریب فیہ کا صاحب بیضاوی نے دوسرا معنی کیا بیان کیا ہے نیز ھدی منصوب کیوں ہے؟

**جواب**: صاحب بیضاوی لاریب کا دوسرا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ متقین کو اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ ھدی ضمیر مجرور سے حال واقع ہو گا اس میں عامل فیہ ہے جو لاریب کی صفت واقع ہے لہذا اسی وجہ سے ھدی کو منصوب پڑھا۔

**سوال نمبر 121**: ریب کی اصل بیان فرمائیں؟

**جواب**: ریب اصل میں مصدر ہے رابنی الشی اذا حصل فیك الریبة سے، ریب کہتے ہیں: نفس کا بے قرار اور مضطرب ہونا اس کو شک بھی کہا جاتا ہے یہ نفس کو بے قرار کرتا اور اطمینان کو ختم کر دیتا ہے اور حدیث پاک میں فرمایا گیا: چھوڑ دو اس کو جو تمہیں شک میں ڈالے اس کی طرف جو تمہیں شک میں نہ ڈالے بے شک (شک) ریبہ ہے اور صدق طمانینت ہے اور اسی سے ریب الزمان لنوائبہ بھی ماخوذ ہے۔

**سوال نمبر122:** ہدایت کا معنی بیان فرمائیں؟

**جواب:** ھدی للمتقین یعنی قرآن انہیں راہ حق کی طرف ھدایت دیتا ہے ھدی اصل میں مصدر ہے جیسے سُرٰی رات کے وقت چلنا اور اَلتُّقٰی بہت زیادہ بچنے والا۔ **ہدایت کا عرفی معنی:** اس بارے میں دو قول ہیں:

(1) ھدایت کا معنی ہے رہنمائی کرنا، (2) ایسی رہنمائی کرنا جو مطلوب تک پہنچا دے۔

**ہدایت کے معنی پر دلیل:** اللہ کے فرمان میں ہدایت کو گمراہی کے مقابلے میں لایا گیا ہے، **دوسری دلیل:** کیونکہ مہدی اسے ہی کہتے ہیں جو مطلوب تک رہنمائی پالے۔

**سوال نمبر123:** ھدایت کو متقین کے ساتھ ہی کیوں خاص کیا گیا؟

**جواب:** ھدایت کو متقین کے ساتھ خاص کرنے کی دو وجہیں ہیں:

(1) کیونکہ قرآن سے رہنمائی طلب کرنے والے اور اس کے دلائل سے حقیقی معنوں میں نفع اٹھانے والے متقین ہی ہیں اگرچہ اس کی دلالت ہر ناظر چاہے مسلمان ہو یا کافر کے لئے عام ہے اسی اعتبار سے رب نے فرمایا: ھُدًی لِلنَّاسِ۔

(2) قرآن میں غور و فکر کر کے وہ ہی نفع اٹھا سکتا ہے جس نے اپنی عقل کو صاف کر لیا ہو اور اس کو تدبّر آیات میں استعمال بھی کرتا ہو اور اس کی معجزات اور نبوت کے دلائل میں نظر بھی ہو کیونکہ قرآن صحت مند کے لئے غذائے صالح کی طرح ہے غذائے صالح اس وقت تک نفع نہیں لاتی جب تک صحت حاصل نہ ہو اسی کی طرف رب تعالیٰ نے اشارہ فرمایا: وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۙ وَلَا یَزِیْدُ الظّٰلِمِیْنَ اِلَّا خَسَارًا اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں وہ چیز جو ایمان والوں کے لئے شفا اور رحمت ہے اور اس سے ظالموں کو نقصان ہی بڑھتا ہے۔

**اعتراض نمبر40:** قرآن سارے کا سارا کیسے ھدایت ہو سکتا ہے حالانکہ اس میں تو متشابہ اور مجمل بھی ہیں؟

**جواب:** مجمل و متشابہ کا قرآن میں ہونا قرآن کے ھدایت ہونے کو مانع نہیں ہے کیونکہ کوئی بھی آیت تعیین مراد سے خالی نہیں ہے سب کی تعیین کر دی گئی، سب کا معنی بیان کر دیا گیا چاہے مجمل ہو یا متشابہ۔

**سوال نمبر124:** تقوی کا معنی بیان فرمائیں؟

**جواب:** متقی اسم فاعل ہے وَقَاہ ُ یعنی اس نے بچایا اور فَاتّقٰی سے یعنی وہ بچا

**وقایۃ** کہتے ہیں انتہاء درجے کی پرہیز گاری، **عرف شرع میں ھداہت کا معنی:** عرف شرع میں متقی اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے آپ کو آخرت میں نقصان دینے والی اشیاء سے بچائے۔

**سوال نمبر** 125: ھدایت کے مراتب ثلاثہ بیان فرمائیں؟

**جواب:** ھدایت کے تین مراتب ہیں:

(1) شرک سے بیزاری کر کے ہمیشہ کے عذاب سے بچنا اس پر اللہ کا فرمان دلالت کرتا ہے: وَ اَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى، اور پرہیزگاری کا کلمہ ان پر لازم فرمایا۔

(2) ہر اس چیز سے بچنا جس کا کرنا یا نہ کرنا گناہ میں ڈال دے یہاں تک کہ ایک قوم کے نزدیک صغیرہ گناہوں سے بچنا بھی ضروری ہے اور یہ ہی تقوی کے نام سے شرع میں متعارف ہے اللہ کے فرمان سے یہ ہی مقصود ہے: وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا، اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور ڈرتے۔

(3) ان چیزوں سے بچنا جو باطن کو حق سے پھیر دیں اور دلوں و دماغ کے ساتھ اللہ کا ہی ہو کر رہے جانا تقوی حقیقی ہے اللہ کے فرمان سے یہ ہی مطلوب ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا اُس سے ڈرنے کا حق ہے۔ یہ آیت کریمہ منسوخ ہے اللہ کے اس فرمان سے: فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ: تو اللہ سے ڈرو جہاں تک ہوسکے۔

ھدایت کی بھی ان تین طریقوں پر تفسیر کی گئی ہے (1) یعنی اس کے لئے ھدایت ہے جو شرک سے بچا ایمان لے آیا (2) اس کے لئے ھدایت ہے جو تمام گناہوں سے بچتا ہو (3) اس کے لئے ھدایت ہے جو اپنے مولی سے اعراض نہ کرے اور اسی کا ہو کر رہے جائے۔

**سوال نمبر** 126: الم ذلك الكتاب۔۔۔۔۔ اس آیت کی اعرابی صورتیں بیان فرمائیں؟

**جواب:** یہ آیت کریمہ اعراب کی کئی صورتوں کا احتمال رکھتی ہے یہاں پر وجوہ اعراب کی آٹھ صورتیں بیان کی گئی ہیں

(1) الم مبتدا ہو جائے اس بناء پر کہ یہ قرآن یا سورت کا نام ہے یا یہ مقدر ہے مؤلف منھا سے اور ذلک کو اس کی خبر بنا دیا جائے۔

(2)الم مبتدا محذوف کی خبر بن جائے اور ذلک خبر ثانی بن جائے یا الم مبدل اور ذلک اس کا بدل بن جائے دونوں صورتوں میں الکتاب ذلک کی صفت ہی بنے گی۔

(3)**لاریب** میں لا نفی جنس کا ہو اور ریب اس کا اسم بنا دیا جائے۔

(4)یا لا (لیس ) کے معنی میں ہو تو اس کی خبر فیہ ہو جائے گی اس صورت میں ریب کو مرفوع پڑھا جائے گا جیسے کہ قراءت ابو شعثاء میں ہے۔

(5)یا فیہ (ریب) کی صفت بنا دیں اور متقین اس کی خبر بن جائے گی اور ھدی حال بنے گا ضمیر مجرور فیہ سے اس کو حال کی بنا پر منصوب پڑھا گیا ہے۔

(6)یا لا کی خبر کو محذوف مان لیا جائے جیسے کہ لاضیر میں فیہ خبر محذوف ہے اسی طرح یہاں بھی اس کی خبر کو محذوف مان لیا جائے رہا فیہ اس کو ھدی للمتقین کے لئے خبر مقدم بنا دیا جائے اسی وجہ سے لا ریب پہ وقف کیا جاتا ہے تو تقدیری عبارت یوں بنے گی کہ لا ریب فیہ ،فیہ ھدی۔

(7)ذلک کو مبتدا بنا دیا جائے اور الکتاب اس کی خبر بن جائے تو معنی ہو گا وہ کتاب کامل جو اس بات کی مستحق ہے کہ اس کو کتاب کا نام دیا جائے۔

(8)الکتاب کو ذلک کی صفت بنا دیا جائے اور مابعد جملہ لاریب فیہ اس کی خبر بنا دی جائے، یا بعد والا جملہ الم کی خبر بنا دیا جائے۔

**نوٹ**: کتاب کے آخر سے اس کا نقشہ دیکھ کیا جائے۔

**اعتراض نمبر**41: جب مؤلف منہا کو مقدر مانے گے تو یہ اعتراض لازم آئے گا کہ مؤلف منہا جو کہ مبتدا بن رہا ہے یہ عام ہے اور ذلك جو کہ خبر ہے یہ خاص ہے اور قاعدہ ہے کہ خاص کا حمل عام پر نہیں ہوتا؟

**جواب**: لیکن یہاں المؤلف منہا سے مراد وہ ہے جو اپنی تالیف میں کامل، فصاحت اور بلاغت کے مراتب کی انتہاء کو پہنچی ہو۔

**اعتراض نمبر**42: لاریب فیہ میں فیہ ظرف کو کیوں مقدم نہیں کیا گیا جیسے اللہ کے فرمان لافیھا غول میں کیا گیا ہے؟

**جواب**: یہاں فیہ ظرف کو اس لئے مقدم نہیں کیا گیا کہ اس کو مقدم کرنے میں یہ وہم پیدا ہوتا تھا کہ اسی قرآن میں کوئی شک نہیں جبکہ بقیہ آسمانی کتب میں شک ہے اسی وجہ سے یہاں نفی ریب کا قصد نہیں کیا گیا اور رہی آیت کریمہ لا فیھا غول تو اس میں جنت کی شراب کو دنیا کی شراب پر خاص کیا گیا ہے۔

**سوال نمبر** 127: لا ریب میں لا کونسا ہے نیز یہ مبنی ہے یا معرب؟

**جواب**: یہاں لا لائے نفی جنس کا ہے اور معنی من کو شامل ہونے کی وجہ سے مبنی ہے اور ریب محلا منصوب ہے اس بناء پر کہ یہ لائے نفی جنس جو ان کے عمل کرنے کی طرح عمل کرنے والا کیونکہ یہ اس کی نقیض اور ان کے اسماء کو لازم ہونے کی طرح یہ بھی اسماء کو لازم ہے۔

یہ معنی من کو متضمن ہونے کی وجہ سے مبنی ہے یعنی سوال کیا گیا تھا ھل من ریب فیہ تو جواب میں کہا گیا لا من ریب۔

**سوال نمبر** 128: جملہ اربعہ میں ربط کے اولیٰ طریقے کو بیان فرمائیں؟

**جواب**: اولیٰ یہ ہی ہے کہ یوں کہا جائے یہ چار جملے الم ذلک الکتاب۔۔۔۔ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہے اور ان میں سے لاحقہ بعد والا اپنے سے پہلے جملے کو پختہ کرنے والا ہے اسی وجہ سے ان کے مابین حرف عطف کو داخل نہیں گیا۔

(1) پس الم جملہ دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ جس کے ساتھ چیلنج کیا گیا ہے وہ اسی جنس سے مرکب ہے جس سے وہ اپنے کلام کو مرکب کرتے ہیں،

(2) اور ذلک دوسرا جملہ جہت تحدی کو پختہ کرتا ہے کہ یہی وہ کتاب ہے جس کی صفت غایت کمال کے ساتھ لائی گئی ہے پھر اس کے کامل ہونے پر نفی ریب فیہ سے قطعی حکم لگایا گیا

(3) اور لاریب فیہ تیسرا جملہ ہے جو قرآن کے کامل ہونے پر شاھد ہے کیونکہ جس میں حق و یقین ہو اس سے بڑھ کر کوئی کامل نہیں ہو سکتا،

(4) اور ھدی للمتقین جملہ جس سے پہلے جو مبتدا کو مقدر مانا گیا ہے یہ پختہ کرتا ہے قرآن کے ایسے حق ہونے کا جس کے ارد گرد بھی شک نہیں گھومتا ہوں یوں قرآن کریم متقین کے لئے ھدایت ہے۔

**سوال نمبر**129: جملہ اربعہ جو آپس میں مربوط ہیں ان کے ربط ثانی کو بیان فرمائیں؟

**جواب**: یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ ان جملوں میں سے سابقہ لاحقہ کے پیچھے پیچھے آرہا ہے دلیل کے مدلول کے پیچھے آنے کی طرح

**اس کی وضاحت**: سب سے پہلے الم سے متحدی بہ کے اعجاز پر ہونے پر تنبیہ کی یوں کہ یہ قرآن انہی کے کلام کی جنس سے ہے اور یہ لوگ قرآن کے معارضے سے عاجز رہے اس سے یہ نتیجہ نکالا گیا کہ قرآن وہ کتاب ہے جو کمال کے حد کو پہنچی ہوئی ہے اور اور اس سے یہ بات بھی لازم آتی ہے کہ شک قرآن کے اطراف میں بھی متعلق نہیں ہوتا کیونکہ اس سے بڑھ کر ناقص کیا ہوگا جسے شک اور شبہ طاری ہو اور جو اس شان کا ہو کہ اس میں حق ویقین ہو وہ ہی متقین کے لئے ھدایت ہے۔

**سوال نمبر**130: ان چار جملوں میں بلاغت کے نکتوں کو بیان فرمائیں؟

**جواب**: ان جملوں میں سے ہر جملے میں ایک قوی نکتہ ہے:

(1) پس پہلے جملے میں مبتدا حذف مانے یا خبر یہ اشارہ کرتا ہے اعجاز کے ساتھ مقصود کی طرف کیونکہ ان کو عاجز کرنا اور قرآن کے وحی ہونے کا بتانا ہی مقصود ہے

(2) دوسرے جملے میں ذلك الكتاب میں الکتاب پر الف لام لاکر اس کو خاص کر دیا اس میں معرفہ ہونے کی عظمت کو بیان کرنا ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جو کامل واکمل ہے۔

(3) اور تیسرے جملے میں ظرف کو مؤخر کر دیا وہم باطل سے بچنے کے لئے کہ ظرف فیہ کو مقدم کرنے سے بقیہ کتب میں شک کے پائے جانے کا وہم آتا تھا۔

(4) آخری جملے میں حذف کرنا یعنی ھدی سے پہلے ھو مبتدا محذوف ہے اور ھدی مصدر لے کر مبالغہ کے لئے اور ھدی کو نکرہ لے کر آئے تعظیم کے لئے اور ھدی کو متقین کے ساتھ باعتبار غایت کے خاص کیا اور مشارف، مقارب الی التقوی نام رکھنا اختصار کے پیش نظر ہے یا اس کی شان کو بڑھانے کے لئے ہے۔

**سوال نمبر**131: الذین یومنون بالغیب کی ماقبل آیت سے مناسبت بیان فرمائیں؟

**جواب:** (1) یہاں الذین اسم موصول اپنے صلہ سے مل کر ہے متقین کے لئے صفت مجرورہ مقیدہ بن رہی ہے یہ اس صورت میں ہے اگر تقوی کی تفسیر ترک مالاینبغی کے ساتھ کریں اس صورت میں تقوی پر ایمان بالغیب اس طرح مرتب ہو گا جیسے خالی شی پر زیورات اور صیقل پر تصویر۔

(2) یاالذین موصول اپنے صلہ سے مل کر متقین کی صفت موضحہ بن جائے یہ اس صورت میں ہے اگر اس کی تفسیر اس کے ساتھ کریں جو فعل حسنات اور ترک برائیوں کو عام ہو تو یہ صفت موضحہ ہو گی کیونکہ یہ مشتمل ہے اصل اعمال اور اساس حسنات پر جیسے ایمان، نماز اور صدقہ یہ امہات اعمال نفسانیہ، عبادات بدنیہ، مالیہ ہیں جو تمام طاعات کو اور گناہوں سے بچنے کو لازم ہے اکثر طور پر اللہ فرماتا ہے: اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نماز دین کا ستون اور زکوٰۃ اسلام کا پل ہے۔

(3) یا اسم موصول اپنے صلہ سے مل کر متقین کی صفت مسوقہ ہے جسے صفت مادحہ بھی کہتے ہیں اس کو یہاں اس کی مدح کے لئے لایا گیا ہے جس کو متقین اپنے ضمن میں لئے ہوئے ہیں۔

**اعتراض نمبر** 43: یہاں آیت میں متقین کو ایمان بالغیب اور اقامۃ الصلاۃ اور ایتائے زکوۃ کے ساتھ ہی کیوں خاص کیا گیا حالانکہ اوصاف تو اور بھی بہت ہیں؟

**جواب:** ان کی فضیلت کو بقیہ پر ظاہر کرنے کے لئے جو بھی اسم تقوی کے تحت داخل ہیں۔

<u>**سوال نمبر** 132: الذین کا اعراب بیان فرمائیں؟</u>

**جواب:** یہ یا تو مدح کی بناء پر منصوب ہے اس سے پہلے امدح نکالا جائے گا یا خبر ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اس کا مبتدا ھم محذوف نکالا جائے گا یا یہ متقین سے جدا ہے اور مبتدا ہے اس کی خبر اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى ہے لہذا متقین پر وقف تام کیا گیا جائے۔

**وقف تام کہتے ہیں** جس کا مابعد سے کوئی تعلق نہ ہو۔

<u>**سوال نمبر** 133: ایمان کا لغوی و اصطلاحی معنی بیان فرمائیں؟</u>

**جواب: ایمان کالغوی معنی:** تصدیق کرنا ہے اور یہ امن سے ماخوذ ہے الامن کے دو معنی ہے مطمئن کرنا، امن دینا گویا کہ مصدق (جس کی تصدیق کی گئی ہو) مصدق سے تکذیب اور مخالفت کے حوالے سے بے خوف ہو جاتا ہے۔

**اور کبھی کبھار ایمان وثوق** کے معنی میں بھی آتا ہے اس اعتبار سے کہ واثق امن والا ہو جاتا ہے اور اسی سے بنا ہے ما امنت ان اجد صحابة مجھے یقین نہیں کہ اپنے ساتھیوں کو مل سکوں، یومنون بالغیب میں دونوں معنی لینا حسن، صحیح ہے۔

**اصطلاحی معنی:** ان چیزوں کی تصدیق کرنا جن کو بالضرورہ جانا گیا ہو کہ یہ دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں یعنی ضروریات دین کی تصدیق کرنا جیسے توحید، نبوت، بعث، جزاء وغیرہ

**سوال نمبر134: ایمان کتنی چیزوں کا نام ہے؟**

**جواب:** ایمان تین چیزوں کے مجموعے کا نام ہے (1) حق کا اعتقاد رکھنا یعنی تصدیق بالقلب کرنا (2) اور اس حق کا اقرار کرنا یعنی تصدیق بالسان کرنا (3) اور اس کے مقتضاء پر عمل کرنا یعنی عمل بالجوارح کرنا یہ **جمہور محدثین اور معتزلہ وخوارج** کے نزدیک ہے لہذا جس نے اعتقاد کو چھوڑ دیا وہ منافق اور جو اقرار کو چھوڑ دے وہ کافر اور جو عمل کو چھوڑ دے وہ بالاتفاق تینوں فرقوں کے نزدیک وہ فاسق ہے۔

**سوال نمبر135: عمل کو چھوڑنے والا کن کے نزدیک کافر ہے نیز معتزلہ کے ہاں مرتکب کبائر کا کیا حکم ہے؟**

**جواب:** خوارج کے نزدیک عمل کو چھوڑے والا کافر ہے خوارج کے جمہور اسی بات کی طرف گئے ہیں کہ ہر گناہ کفر ہے اور معتزلہ کے نزدیک عمل کو چھوڑنے والا مرتکب کبائر نہ ایمان سے خارج ہے اور نہ کفر میں داخل ہے۔

**سوال نمبر136: ایمان صرف تصدیق کا نام ہے اس پر قرآن سے دلائل بیان فرمائیں نیز گناہوں کے ارتکاب سے کفر لازم آئے گا یا نہیں قرآن سے دلیل دیں؟**

**جواب:** ایمان فقط تصدیق کا نام ہے **اس پر دلیل** کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے ایمان کی نسبت، اضافت دل کی طرف فرمائی اللہ فرماتا ہے: أُولَٰٓئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ، دوسرے مقام پر فرماتا ہے: وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ، ایک اور مقام پر فرماتا ہے: وَلَمْ تُؤْمِن قُلُوبُهُمْ مزید فرمایا: وَلَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ ترجمہ: اور ابھی ایمان تمہارے دلوں میں کہاں داخل ہوا۔

اور ایمان کی (اضافت دل کی طرف کی) اسی پر بے شمار مقامات پر عمل صالح کا عطف کیا گیا اور اس کے ساتھ گناہوں کو ملایا گیا ہے لہذا اس عطف سے ثابت ہوا کہ مؤمن ہونے کے لئے اعمال شرط نہیں کیونکہ عطف میں مغایرت ہوتی ہے لہذا مرتکب کبائر کافر نہیں اللہ قرآن کریم میں فرماتا ہے: وَاِنۡ طَآئِفَتَانِ مِنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اقۡتَتَلُوۡا، دوسرے مقام پر فرمایا: يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِصَاصُ فِى الۡقَتۡلٰى، ایک اور مقام پر فرماتا ہے: اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ يَلۡبِسُوۡۤا اِيۡمَانَهُمۡ بِظُلۡمٍ ترجمہ: وہ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ناحق کی آمیزش نہ کی۔

**دلیل عقلی:** فقط تصدیق کا نام ایمان رکھنے میں قلت تغییر بھی ہے (یعنی تصدیق کہتے ہیں فقط ضروریات دین کی تصدیق اس میں عمل بالجوارح وغیرہ کی قید کی ضرورت نہیں یوں اس کو کم مغیر کیا گیا اور ایک معنی میں مقید کر دیا) اور یہ اصل کے زیادہ قریب بھی ہے۔

**سوال نمبر** 136: یؤمنون بالغیب اس آیت میں یومنون سے کونسا معنی متعین کیا ہے مع دلیل بیان فرمائیں؟

**جواب:** بالاتفاق اس آیت میں یؤمنون سے مراد تصدیق کرنا ہے کیونکہ یؤمنون باء کے ساتھ متعدی ہو رہا ہے اور یہاں معنی شرعی مراد ہے نہ کے لغوی کیونکہ قاعدہ ہے کہ جب قرآن میں کسی لفظ کا لغوی اور شرعی دونوں معنی ہوں تو شرعی معنی ہی متعین کیا جاتا ہے

**سوال نمبر** 137: کیا فقط تصدیق بالقلب ہی کافی ہے یا اس کے ساتھ ساتھ قرار بھی ضروری ہے؟

**جواب:** اس بارے میں اختلاف ہے کہ فقط تصدیق بالقلب ہی کافی ہے (کیونکہ تصدیق بالقلب ہی مقصود ہے) یا اس کے ساتھ ساتھ قدرت والے کے لئے اقرار بھی لازم ہے صاحب بیضاوی فرماتے ہیں کہ شائد دوسرا قول حق ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے منکر کی مذمت زیادہ فرمائی ہے بانسبت جاہل مقصِّر کی مذمت کے لہذا معترض کے لئے یہ ہی مناسب ہے کہ انکار کی وجہ سے مذمت بجالائے، نہ کہ قدرت رکھنے والے کے عدم اقرار کی وجہ سے بجالائے، **اس کی عام فہم مثال:** جو میلاد کا منکر ہے اس کی مذمت کی جائے گی نہ کہ اس کی جو میلاد تو مانتا ہو لیکن مناتا نہ ہو۔

**سوال نمبر** 138: غیب کا معنی بیان فرمائیں؟

**جواب:** غیب مصدر ہے اس کو مبالغہ کے لیے لایا گیا ہے جیسے اس آیت کریمہ: عٰلِمُ الۡغَيۡبِ وَالشَّهَادَةِ میں شہادت کو مبالغہ کے لئے لایا گیا اور عرب والے زمین کا وہ حصہ جو مقام مطمئن ہو جہاں اطمینان ہو اس کو بھی غیب کہتے ہیں نیز وہ سراخ جو گردے سے ملا ہو اس

کو بھی غیب کہتے ہیں۔ یا غیب فیعِل کے وزن پر ہے اس کو مخفف کر دیا گیا جیسے قَیِّل سے قَیْل، اور یہاں غیب سے مراد وہ پوشیدگی ہے جس کا حس ادراک نہ کر سکے اور عقل اس کا تقاضا نہ کرتی ہو۔

**سوال نمبر** 139: غیب کی کتنی قسمیں ہیں نیز آیت میں غیب کی کونسی قسم مراد ہے؟

**جواب**: غیب کی دو قسمیں ہیں: (1) وہ غیب جس پر کوئی دلیل نہ ہو اللہ کے فرمان سے یہ ہی مقصود ہے: وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ترجمہ: اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی انہیں وہی جانتا ہے۔

(2) جس پر دلیل قائم کی گئی ہو جیسے صانع اور اس کی صفات یوم آخرت اور اس کے احوال، **آیت میں غیب** سے مراد یہ ہی غیب ہے۔

**سوال نمبر** 140: آیت میں غیب سے مراد وہ غیب جس پر دلیل قائم ہو کس وقت مانا جائے گا؟

جواب: یہ اس وقت مانا جائے گا جب آپ یؤمنون بالغیب میں بالغیب کو ایمان کا صلہ، متعلق بنائے اور جب آپ اس کو مفعول کی جگہ رکھیں (آپ یہ بات پڑھ چکے کہ مفعول بہ دو طرح سے آتا ہے حرف جر کے واسطے کے ساتھ یا حرف کے بغیر)۔

**سوال نمبر** 141: آیت میں لفظ غیب کو جب حال بنایا جائے گا تو اس کا کیا معنی ہو گا نیز اس کا اور کونسا معنی ہو سکتا ہے مع دلیل بیان فرمائیں؟

**جواب**: جب آپ بالغیب کو حال بنائے گے ملتبسین بالغیب کی تقدیر پر، تو غیب کا معنی ہو گا غیبت، خفاء لہذا آیت کا معنی بنے گا کہ صحابہ کرام دوسرے لوگوں سے غائب ہو کر بھی ایمان والے ہی رہتے ہیں ان منافقوں کی طرح ایمان نہیں لاتے جن کے بارے میں قرآن میں ہے: وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ۔

**یا معنی ہو گا وہ مؤمن بہ** یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے غائب ہو کر بھی لاتے ہیں یعنی ایمان پر قائم رہتے ہیں، **دلیل**: حضرت ابن مسعود سے مروی ہے فرمایا: اس کی قسم جس کے سواء کوئی معبود نہیں ہے غیب پر ایمان لانے سے بڑھ کر افضل کسی کا ایمان نہیں ہو سکتا۔

**اور ایک قول یہ بھی** ہے کہ غیب سے مراد دل ہے کیونکہ یہ چھپا ہوا ہے تو آیت کا معنی ہو گا صحابہ کرام ایمان لاتے ہیں اپنے دلوں کے ساتھ نہ کہ ان کی طرح جو لوگ فقط اپنے منوں کے ساتھ ایمان لائے حالانکہ ان کی دل میں ایمان نہ تھا۔

**سوال نمبر**142:یؤمنون بالغیب میں باء کیا کیا بن سکتا ہے؟

**جواب:** یہاں پر جب آپ بالغیب کو ایمان کا صلہ بنائے گے تو باء تعدیہ کے لئے ہو گا اور جب حال بنائے گے تو مصاحبت کے لئے ہو گا اور جب غیب سے مراد قلب ہو گا تو باء آلہ کے لئے ہو گا۔

**سوال نمبر**143:یقیمون کے معانی مع دلائل بیان فرمائیں؟

**جواب:** یقیمون کے چار معانی بیان کئے گئے ہیں (1) یعنی وہ نماز کے ارکان کو اطمینان سے ادا کرتے ہیں اور وہ نماز کی حفاظت کرتے ہیں کسی کجی کے واقع ہونے سے، یقیمون اقام العود سے مشتق ہے یہ اس وقت بولا جاتا ہے اذا قومہ جب کوئی لکڑی کو سیدھا کرے، (2) یا وہ نماز پر ہمیشگی اختیار کرتے ہیں یہ قامت السوق سے مشتق ہے اذا نفقت جب بازار چل پڑے واقمتھا اور تو اسے قائم کر دے اس وقت بولا جاتا ہے جب بازار جاری و ساری ہو جائے۔

جیسے اس شعر میں: اقامت غزالۃ سوق الضراب لاھل العراقین حولا قمیطا

ترجمہ: غزالہ نامی عورت نے بصری اور کوفہ والوں کے لئے بازار جنگ کو پورا ایک سال جاری رکھا۔

پس جب نماز کی حفاظت کی جائے گی تو یہ اس چلنے والے بازار کی طرح ہو جائے گی جس میں رغبت کی جاتی ہے اور جب اس کو ضائع کیا جائے گا تو یہ اس پیالے کی طرح ہو جائے گی جس سے اعراض کیا جاتا ہے۔

(3) یا اس کا معنی ہے وہ نماز کو ادا کرنے کی تیاری کرتے ہیں بغیر کمزوری و سستی کے جیسے کہ قول ہے: قام بالامر و اقامہ اس وقت بولا جاتا ہے جب کوئی قوت کے ساتھ کوشش کرے اور اس کی ضد قعد عن الامر و تقاعد آتی ہے یعنی وہ معاملے سے بیٹھا رہا اور رہ گیا

(4) یا اس کا معنی ہے وہ نماز ادا کرتے ہیں۔

**اعتراض نمبر**44:یقیمون جب یہ اقام العود سے مشتق ہو گا تو اس کا معنی یعدلون کیسے ہو سکتا ہے؟

**جواب:** یہاں پر ظاہری معنی مراد نہیں بلکہ یہاں استعارہ تبعیہ ہے یعنی فعل کے مصدر کو تشبیہ کے طریقے پر اس معنی میں استعمال کرنا جو اس مصدر کے علاوہ ہو۔ یہاں تعدیل ارکان صلاۃ اور اس کی حفاظت کو تقویم عود سے تشبیہ دی گئی ہے لہذا تسویہ الاجسام سے تسویہ المعانی مستعار لیا گیا ہے یعنی معانی کو سیدھا کرتے ہیں۔

**اعتراض نمبر** 45: ادائیگی نماز کو اقامت سے کیوں تعبیر کیا گیا؟

**جواب:** کیونکہ نماز قیام پر مشتمل ہے اس لئے ادائیگی نماز کو اقامت سے تعبیر کیا گیا ہے جیسے نماز کو قنوت: وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ، رکوع: وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ، سجود: وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ اور تسبیح: فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

**سوال نمبر** 144: نماز کے معانی میں راجح قول بیان فرمائیں؟

**جواب:** پہلا قول راجح اوراظہر ہے کیونکہ یہ زیادہ مشہور اور حقیقت کے زیادہ قریب ہے یعنی لغوی معنی کے زیادہ قریب ہے اور زیادہ مفید ہے تنبیہ کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ مدح کا حقدار وہ ہے جو نماز کی حدود ظاہرہ کی رعایت کرے جیسے فرائض وسنن اور نماز کے حقوق باطنہ کی رعایت کرے جیسے خشوع اور دل کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہونا، وہ لوگ جو نمازوں سے بھولے ہوئے ہیں وہ مدح کے حقدار نہیں اسی وجہ سے سیاق مدح میں فرمایا: وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ، اور مقام مذمت میں فرمایا: فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ۔

**سوال نمبر** 145: کلمہ الصلاۃ کی تحقیق بیان فرمائیں؟

**جواب:** الصلاۃ صلی سے ماخوذ ہے فعلۃ کے وزن پر ہے، جب یہ دعا کے معنی میں ہو جیسے زکاۃ زکی سے ماخوذ ہے دونوں میں واؤ کو لفظ مفخم کی بنا پر لکھا گیا ہے (یعنی الف کو واؤ کی طرف مائل کر کے پڑھے گے تاکہ اشارہ ہو جائے اس بات کی طرف کہ الف واؤ سے بدل کر آیا ہے) الصلاۃ صَلَوَۃ تھا واؤ کو ما قبل حرکت کے مطابق الف سے بدل دیا تو صلاۃ ہو گیا یا یہ صَلْوَۃ لام ساکن کے ساتھ تھا واؤ کی حرکت ما قبل کو دی تو یہ صلاۃ ہو گیا، **ایک قول** یہ بھی ہے کہ اس صلاۃ کی اصل صلی حرك الصلوین ہے یعنی سرین کو ہلانا کیونکہ نمازی رکوع وسجود میں اپنی سرین کو ہلاتا ہے ان دونوں معنی میں سے دوسرا معنی مشہور ہے یعنی مخصوص افعال کو نماز کہتے ہیں جبکہ حرك الصلوین والا معنی مشہور نہیں اور دوسرے معنی کو لینا پہلے کو چھوڑ دینا اس میں کوئی قدح وخرابی نہیں۔

**اعتراض نمبر** 46: صلاۃ کا معنی تو دعا ہے تو پھر مخصوص افعال کو صلاۃ کا نام کیوں دیا گیا؟

**جواب**: مخصوص افعال کو نماز اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ نماز بھی دعا پر مشتمل ہوتی ہے۔

**اعتراض نمبر** 47: دعا مانگنے والے کو مصلی کیوں کہا جاتا ہے حالانکہ وہ تو دعا مانگنے والا ہے نہ کہ نماز پڑھنے والا؟

**جواب**: دعا کرنے والے کو نمازی اس لئے کہا جاتا ہے کہ عاجزی و گڑگڑانے میں دعا مانگنے والے کے رکوع و سجدہ کرنے والے کے ساتھ مشابہت کی وجہ سے، یعنی داعی نماز کے مشابہ ہے گڑگڑانے اور عاجزی کرنے میں۔

## سوال نمبر 146: رزق کی تعریف نیز رِزق اور رَزق میں فرق بیان فرمائیں؟

**جواب**: رزق کا لغوی معنی ہے **حصہ** جبکہ یہ دو طرح سے آتا ہے ایک رزق راء کے کسرہ کے ساتھ جس کا معنی ہے حصہ اللہ فرماتا ہے: وَتَجۡعَلُوۡنَ رِزۡقَكُمۡ اَنَّكُمۡ تُكَذِّبُوۡنَ اور اپنا حصّہ یہ رکھتے ہو کہ جھٹلاتے ہو اور دوسرا رزق راء کے فتح کے ساتھ آتا ہے جس کا معنی ہے کسی کو دینا، عطا کرنا۔

جبکہ **عرفی معنی یہ** ہے کہ کسی شی کو کسی بھی حیوان کے ساتھ نفع حاصل کرنے کے لئے خاص کر دینا اور اس میں اس کو قدرت دے دینا۔

## سوال نمبر 147: حرام رزق ہے یا نہیں معتزلہ کا مؤقف بیان فرمائیں؟

**جواب**: **معتزلہ کہتے ہیں** کہ اللہ کے لئے یہ بات محال ہے کہ وہ کسی کو حرام پر قدرت دے کیونکہ حرام سے تو نفع اٹھانے سے منع فرمایا ہے اور اس سے رکے رہنا کا حکم دیا ہے۔

**معتزلہ کہتے ہیں**: حرام رزق نہیں ہوسکتا اس آیت وَمِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَۙ میں اللہ نے رزق کی اضافت اپنی طرف فرمائی ہے اس بات کی خبر دیتے ہوئے کہ وہ لوگ خالص حلال ہی خرچ کرتے ہیں کیونکہ حرام کا خرچ کرنا تو مدح و تعریف کو لازم نہیں کرتا لہذا یہاں رزق حلال مراد ہے اور اللہ نے جس رزق کو حلال ٹھہرایا اس میں سے بعض کو حرام ٹھہرانے پر مشرکین کی مذمت کبھی کی اپنے اس فرمان کے ساتھ: قُلۡ اَرَءَيۡتُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ لَكُمۡ مِّنۡ رِّزۡقٍ فَجَعَلۡتُمۡ مِّنۡهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ترجمہ: تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو وہ جو اللہ نے تمہارے لئے رزق اتارا اس میں تم نے اپنی طرف سے حرام و حلال ٹھہرالیا۔ لہٰذا حرام رزق نہیں ہوسکتا۔

## سوال نمبر 148: حرام کے رزق ہونے کے بارے میں معتزلہ کا رد بیان فرمائیں؟

**جواب:** ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ اس آیت کریمہ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ میں اللہ نے رزق کی اپنی طرف نسبت کی ہے یہ تعظیم کے لیے کی ہے اور خرچ کرنے پر ابھارنے کے لئے کی ہے کہ یہ ہمارا ہی مال ہے اس میں سے خرچ کرو۔ اور یہاں رزق سے مراد حلال ہے جو کہ قرینہ سے معلوم ہو رہا ہے۔ اور یہاں جو مذمت ہے وہ ان چیزوں کو حرام ٹھہرانے پر ہے جن کا حکم نازل نہیں ہوا، جو حرام نہیں کی گئی

ہمارے اصحاب حدیث پاک سے دلیل پکڑتے ہوئے زرق حرام کو بھی رزق میں شامل کرتے ہیں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث عمرو بن قرہ میں فرمایا: اللہ نے تجھے طیب رزق دیا پس تونے جو رزق اللہ نے تجھ پر حرام کیا اس کو اختیار کر لیا اس کی جگہ جو اللہ نے تیرے لئے حلال کیا تھا۔ دوسری بات کہ حرام اگر رزق نہ ہوتا تو لمبی عمر تک حرام سے پلنے والا مرزوق نہ کہلاتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے اللہ فرماتا ہے: وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔

## **سوال نمبر** 149: کلمہ انفاق کی تحقیق بیان فرمائیں؟

**جواب:** کسی شی کو خرچ کرنا اور کسی شی کو فناء کرنا دونوں ہم معنی ہے اگر آپ تلاش وبسیار کریں گے تو ہر وہ لفظ جس کا فاء کلمہ نون ہو اور عین کلمہ فاء ہو تو دلالت کرے گا ذھاب اور خروج کے معنی پر۔ اس انفاق سے ظاہر ہے کہ مال کو خرچ کرنا خیر کے راستے میں چاہے وہ مال فرض یعنی زکوۃ ہو یا نفلی صدقات ہو اور جس نے یہاں خرچ کرنے کی زکوۃ سے تفسیر کی اس نے اعلی وافضل نوع کو ذکر کیا اور اس میں اصل بھی یہ ہی ہے یا جس نے اس مال کو جو خرچ کرنا ہے اس کو زکوۃ کے ساتھ خاص کیا اس زکوۃ کو اس کی سگی بہن نماز سے ملانے کے لئے۔

## **سوال نمبر** 150: اس آیت وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ میں مفعول کو مقدم کرنے کی وجہ بیان فرمائیں؟

جواب: یہاں اہتمام اور آیات کے آواخر کی حفاظت کے لئے مفعول کو مقدم کیا گیا۔

عنصر رضا جامی عطاری"